ماہنامہ
پیام عرفات
رائے بریلی

صالح معاشرہ کی ضرورت

''یہاں سب سے زیادہ خطرہ جو محسوس ہوتا ہے وہ معاشرہ کا کرپٹ ہوجانا ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ بہترین جمہوریتوں کے زمانے میں بھی جب معاشرہ کرپٹ ہوگیا، فاسد ہوگیا، تو اس نے ان جمہوریتوں کے چراغ گل کردیے، اور ان کے لیے جتنے امکانات کامیابی کے ہوسکتے تھے سب ختم کردیے۔ معاشرہ صحت مند ہے، معاشرہ اخلاقی معیار رکھتا ہے تو بہتر سے بہتر ریاست قائم ہوسکتی ہے، بہتر سے بہتر انتظامیہ بن سکتی ہے، لیکن معاشرہ اگر اپنی خصوصیتوں کو کھو چکا ہے تو کوئی بڑی سے بڑی جمہوریت بھی کامیاب نہیں ہوسکتی، اور کوئی سامری بھی اس گوسالہ میں روح نہیں پھونک سکتا۔''

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مركز الإمام أبي الحسن الندوي
دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

محبت حق کی تمنا

مولانا سید محمد الحسنیؒ

"تم نے اپنے دل کے لیے کتنے بت تراشے اور توڑے، کتنے محبوب پسند کیے اور چھوڑے، کن کن چیزوں سے دل لگایا، کن کن چیزوں کے لیے آنسو بہائے، کن کن آرزوؤں اور تمناؤں میں اپنی ساری عمر گنوائی، کن کن ٹھیکروں اور چیتھڑوں کے لیے تم نے بے تکلف نذرانہ دل پیش کیا، کن کن وقتی اور حقیر لذتوں کے لیے تم نے اپنا سارا اثاثہ داؤں پر لگا دیا، تم نے اپنے نفس کی ادنیٰ خواہش اور طفلانہ تحریک پر کیسی کیسی آنے والی نعمتوں اور سرفرازیوں کو ٹھکرا دیا۔

ع یک لحظہ غافل بودہ ام صد سالہ راہم دور شد

تم نے ہر آواز پر لبیک کہا، ہر نسخہ کو آزمایا، ہر عطار اور نیم حکیم کی بات مان لی، نفس کے ہر اشارہ کی تکمیل اپنا مقدس فرض سمجھا اور اس کے لیے اپنے عزیز اوقات بے دریغ صرف کیے، اپنا قیمتی روپیہ پانی کی طرح بہایا، اپنی قوت فیاضی سے خرچ کی، اپنی ہر مخفی صلاحیت کا دل کھول کر استعمال کیا، تو پھر کیا خدا کی خوشنودی رضائے الٰہی اور اس بارگاہ عالی کے پروانہ راہداری کو تم نے اتنا گرا پڑا سمجھ لیا ہے کہ اس کے لیے تمہیں کسی محبت اور طلب کی ضرورت نہیں ہے؟ لیکن خدا کا فیصلہ اس کے برعکس ہے، خدا کی محبت حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے تمہیں اپنے "کعبۂ دل" کو ان تمام بتوں سے صاف کرنا ہوگا، تمہیں دل پر پتھر رکھنے ہوں گے، اور بعض اوقات پیٹ پر بھی پتھر باندھنے ہوں گے، نفس کے گلے پر جیتے جی چھری پھیرنی ہوگی اور قدم قدم پر اپنی مخالفت کرنی پڑے گی، اس کی ہر ترغیب اور دعوت کو اپنے قدموں سے روندنے کی طاقت پیدا کرنی ہوگی، اور ہنسی خوشی یا رو رو کر ان محبوب چیزوں کا فراق گوارا کرنا ہوگا جو زندگی بھر ہمارے ساتھ رہیں۔

اگر ہمیں محبت حق کی تمنا ہے تو اس کا راستہ صرف یہی ہے اور جنون کی شوریدہ سری اور سچی طلب کی بے تابی اور برق وشی اس راہ کی سب سے پہلی شرط اور اس "دیوانِ عشق" کا سب سے پہلا سبق ہے۔"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ (صدر، دارعرفات)

نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہٗ (جنرل سکریٹری، دارعرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخدا ندوی
محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

جنوری ۲۰۱۵ — جلد: ۷ — شمارہ: ۱

فہرس

ملک کا خطرناک رخ اور ہماری ذمہ داریاں ۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی

عالم اسلام کا موجودہ المیہ اور اس کا پس منظر ۴
مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہٗ

عرش الٰہی کے سایہ میں ۵
مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

اسلامی عقائد-قرآن وحدیث کی روشنی میں ۷
بلال عبدالحی حسنی ندوی

زبان کی حفاظت ۸
عبدالرحمٰن صدیقی ندوی

دم حیض کے چند احکام ۹
مفتی راشد حسین ندوی

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ۱۲
خلیل احمد حسنی ندوی

خیر خواہی کا جذبہ ۱۴
محمد ارمغان بدایونی ندوی

بنیاد پرستی اور شدت پسندی ۱۵
سید محمد مکی حسنی ندوی

جمہوری نظام ۱۶

جمہوریت کا المیہ ۱۷
محمد نفیس خاں ندوی

توفیق الٰہی ۱۹
ابوالعباس خاں

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الإمام أبي الحسن الندوي، دارِعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔ Mail: markazulimam@gmail.com

فی شمارہ: ۱۰ روپے — سالانہ: ۱۰۰ روپے

ملک کے لیے پہلا اہم خطرہ

''کسی ملک کی آبادی خواہ کتنی کثیر ہو، اس کے پاس قدرتی وسائل کی کتنی ہی بہتات ہو، وہ ملک خواہ کتنا ہی زرخیز اور دولت مند ہو، اس میں تعلیم خواہ کیسی ہی اعلی مدارج تک پہنچ چکی ہو، کوئی چیز ایسے ملک کو محفوظ نہیں رکھ سکتی جو برادر کشی کے مرض میں مبتلا ہو۔

یہ بڑی حیرت اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ وہ ملک جس نے زمانہ قدیم میں پریم کی بانسری بجائی تھی، اور دل کش لَے میں ہندی، سنسکرت، فارسی اور پھر اردو میں محبت کا پیغام دیا تھا، اور آخر دور میں بھی جہاں بیٹھ کر مسلمان صوفیوں نے انسان دوستی اور انسانیت کے احترام کا درس دیا تھا، اور جس سرزمین سے گاندھی نے عدم تشدد اور اہنسا کا پیغام ساری دنیا کو سنایا تھا اور جس کے پاس آج بھی ہر زبان میں دوستی کا وسیع لٹریچر ہے، اس ملک میں آج انسانیت کے شرف اور انسانی جان کی قیمت کا پورا پورا احساس نہیں۔

یہ احساس وخیال اس ملک میں رچ بس جانا چاہیے تھا کہ زبان کے مسائل، کلچر وتہذیب کے مسائل، رسم الخط کے مسائل، انسان کے مسائل ہیں، اور اس کے تابع ہیں۔ انھیں انسانوں نے پیدا کیا ہے، ان کے اندر جو کشش اور معنویت ہے وہ انسان کی نسبت سے ہے، اگر انسان کی جان محفوظ نہیں تو کیسی زبان، کہاں کا کلچر، کہاں کا دریا، کیسے پہاڑ، کیسا ادب ولٹریچر اور کہاں کی شاعری! ان چیزوں میں کوئی معنویت نہیں، معنویت تو انسان میں ہے!!''

ملک کے لیے دوسرا اہم خطرہ

''ہمارے ملک پر دولت پیدا کرنے کا ایک ایسا بھوت سوار ہے جس نے ملک کے اقتصادی حالات اور نظام کو درہم برہم کردیا ہے، ہر شخص اس فکر میں ہے کہ وہ راتوں رات دولت مند بن جائے، دولت حاصل کرنا برا نہیں مگر جلد از جلد دولت مند بن جانے اور ہتھیلی پر سرسوں جمانے کو شوق خطرناک اور تباہ کن ہے، یہ شوق ایک لاوے کی طرح بہہ پڑا ہے اور ایک آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا ہے، اس مرض کا شکار شہر، قصبات اور دیہات سب ہیں، دولت پرستی کا یہ جنون دیکھ کر بعض مرتبہ کچھ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس ملک میں ہر چیز دم توڑ چکی ہے، صرف دو چیزیں زندہ ہیں؛ ایک باہمی نفرت اور دوسرے زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرنے کی ہوس! جیتی جاگتی حقیقتیں یہی ہیں اور باقی سب کچھ فلسفہ اور شاعری ہے۔

باہمی منافرت کے واقعات آئے دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے رہتے ہیں، کبھی اس نفرت کا رخ کسی فرقہ کی طرف ہوتا ہے، کبھی کسی برادری کی طرف، کبھی کسی کلچر، زبان اور علاقہ کی طرف تو کبھی کسی سیاسی پارٹی کی طرف!

سیاسی پارٹیوں کا اختلاف اپنی جگہ، سوسائٹی میں اخلاقی خرابیاں ہر دور میں رہی ہیں، مگر دولت پرستی کا اس طرح اعصاب پر سوار ہوجانا کہ اپنے مفادات کے لیے ملک کے مفادات کی ذرا بھی پرواہ نہ ہو، یہ کس قدر تشویشناک بات ہے!

اس خطرہ کا علاج خدا کا خوف، آخرت کی باز پرس کا خطرہ اور ایسی دانا وبینا ذات کا تصور ہے جس کے متعلق یقین ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ رہی ہے!!''

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مدیر کے قلم سے

ملک کا خطرناک رخ اور ہماری ذمہ داریاں

بلال عبد الحی حسنی ندوی

اٹھارہویں صدی کے آغاز کی بات ہے جب کلکتہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے انگریزوں نے اس ملک میں قدم جمانے شروع کیے، معاشی ترقی کے عنوان سے انہوں نے آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کیا، پھر یہاں کے باشندوں کو وہ دن دیکھنے پڑے کہ ان کو غلامی کے شکنجے میں جکڑا جا چکا تھا، اور سات سمندر پار کے لوگ یہاں کے رہنے والوں کو بے دست و پا کر چکے تھے، غیرت کی دبی چنگاری نے پھر کام کیا اور آہستہ آہستہ وہ ایک شعلۂ جوالہ بن گئی، ۱۸۵۷ء میں وہ طاقت بن کر ابھری اور اس نے سامراجی نظام کو زبردست ٹکر دی جس میں یہاں کے باشندوں کو بڑی قربانیاں دینی پڑیں، لیکن آزادی کی تحریک دماغوں میں سما گئی اور پورے ملک میں بدیسی حکومت کے خلاف ایسا جوش پیدا ہو گیا کہ ۱۹۴۷ء میں بدیسی طاقتوں کو یہ ملک چھوڑنا پڑا، اور ایک لمبی مدت کے بعد یہ ملک آزاد ہوا۔

آزادی کے بعد ملک کی ترقی کے لیے اور مختلف شکلوں میں اس کو آگے بڑھانے کے لیے تدابیر کی گئیں، کمیشن بٹھائے گئے، منصوبہ بندیاں کی گئیں، جس کے نتیجہ میں یہ ملک آج دنیا میں ایک اہم مقام پر فائز ہے، اور سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں بھی اس نے اپنا لوہا منوایا ہے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض ایسی خامیاں یہاں پیدا ہو گئی ہیں یا پیدا کر دی گئی ہیں جو اندر ہی اندر اس کو کمزور کرتی چلی جا رہی ہیں، اور اس کا ڈر پیدا ہوتا جا رہا ہے کہ کہیں یہ ملک دوبارہ غلامی کے غار میں نہ چلا جائے۔

ان کمزوریوں میں دو باتیں بہت اہم ہیں جو دیمک کی طرح اس ملک کو چاٹتی چلی جا رہی ہیں، ایک فرقہ وارانہ تصادم اور دوسرے اسرائیل سے بڑھتے ہوئے وہ روابط جو ملک کے لیے ایک خطرہ بن چکے ہیں۔

ہندؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو خلیج بدیسیوں نے قائم کی تھی، وہ آج تک پاٹی نہ جا سکی، اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انگریزوں نے جاتے جاتے ایسے بیج بو دیے جن کے ذریعہ یہاں کی اکثریت اور بڑی اقلیت کے درمیان کانٹوں کی ایسی باڑھ تیار ہو گئی ہے کہ کوئی ایک دوسرے کے قریب آنے کو تیار نہیں۔ ایک انگریز مؤرخ نے یہ بات حقیقت پسندی کا اظہار کرتے ہوئے کہہ دی ہے کہ ہم تو چلے گئے لیکن ہم نے یہاں کی تاریخ ایسی مرتب کر دی ہے کہ یہاں کی دو بڑی آبادیوں کے ذہن کبھی مل نہیں سکتے۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ ہم اس سامراجی سازش کا اب تک پردہ نہ چاک کر سکے، اور ان کے ذریعہ سے جو کانٹے بوئے گئے تھے ہم ان کی جگہ پھولوں کی سیج نہ تیار کر سکے، اس وقت کی بڑی ضرورت یہ ہے کہ آپس کی خلیج پاٹنے کی کوشش کی جائے اور ان غلط فہمیوں کو دور کیا جائے جو ایک طبقہ کی طرف سے پیدا کی جا رہی ہیں، جو حقیقت میں اس سامراجی نظام ہی کا حصہ ہے، جو اوپر سے تو ختم ہو گیا لیکن اندر ہی اندر اس کی جڑیں پھیل رہی ہیں۔

دوسرا بہت اہم مسئلہ جس کی طرف توجہ کی بڑی ضرورت ہے، وہ اسرائیل سے بڑھتے ہوئے روابط ہیں، وہ قوم جو حقیقت میں انسانیت کی دشمن ہے، دنیا میں جس کے طرز عمل سے ایک طوفان کھڑا ہوا ہے، اور مختلف حکومتوں نے جس سے پریشان ہو کر اپنا دامن چھڑایا اور امریکہ آج بھی اپنے مقننِ اول کی بات یاد کرتا ہے کہ اگر ان یہودیوں کو یہاں موقع دیا گیا تو وہ دن دور نہیں کہ وہ آقا اور یہاں کے لوگ غلام ہوں گے۔ آج اس قوم کو پس پردہ اس ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنایا جا رہا ہے، اور مختلف شعبوں میں وہاں کے ماہرین مختلف پیمانوں سے ترقی کے نام پر آ کر کام کر رہے ہیں، اور آہستہ آہستہ ان کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی ہے اور ڈر یہ پیدا ہو گیا ہے کہ کہیں ایسٹ انڈیا کمپنی کا بھیانک خواب دوبارہ دوسری شکل میں سامنے آنے والا تو نہیں ہے، یہ خطرہ پورے ملک بلکہ پوری انسانیت کے لیے ہے، طرفہ یہ ہے کہ ان کمپنیوں کو کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے، جو چاہے یہاں آ کر اپنا ڈیرا جمائے اور یہاں کے لوگوں کو بندھوا مزدور بنائے اور یہاں کے ذہین افراد مجبور ہو کر دوسرے ملکوں کی خدمت کرنے پر مجبور ہوں، یہ صورت حال بہت خطرناک ہے، اس کا حل صرف یہی ہے کہ یہاں کی آبادی کو ایک اکائی بنایا جائے اور انسانیت کے رشتہ میں سب کو جوڑ کر ملک کی ترقی میں لگایا جائے، اور بدیسی طاقتوں سے ہوشیار رہا جائے کہ کہیں یہ ملک جو عرصہ تک غلام رہنے کے بعد آزاد ہوا، دوبارہ غلامی کے شکنجے میں نہ چلا جائے!!

عالم اسلام کا موجودہ المیہ اور اس کا پس منظر

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہٗ

پندرہویں صدی ہجری کے شروع میں اسلامی بیداری کے آثار نمایاں ہوئے اور یہ بیداری ایک فطری بات تھی، یورپ وامریکہ کی اسلام دشمنی کی وجہ سے، فکری وتہذیبی یلغار کی وجہ سے اور یورپ کا عالم اسلامی پر سامراجی تسلط قائم کرنے کے لیے میڈیا کے استعمال کرنے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے عالم اسلامی کو ہر طرح سے مالامال کیا ہے، یورپ کا اس بیداری کے خلاف موقف بزدلی اور خوف کا تھا، اور اس خوف میں مزید اضافہ ہوا اسلام کی روز افزوں مقبولیت سے، جبکہ عیسائی مشنریاں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بھرپور وسائل کا استعمال کر رہی تھیں، جیسے تعلیم وتربیت، میڈیا کا استعمال، غریب علاقوں کی خبر گیری کرنا، اور غریبوں کی مدد کرنا، اور اس میں ان کی مدد اسلام مخالف ذہن رکھنے والوں اور ان مسلمانوں نے بھی کی جو اسلام سے بغاوت کر چکے ہیں اور جن کا ذہن یورپی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے بالکل تبدیل ہو چکا تھا انہوں نے اس دین کے خلاف تحقیقات پیش کیں، مقالات لکھے، لیکن اس زبردست اسلام مخالف مہم کے باوجود اسلام سے وابستگی اور دینی واسلامی غیرت وحمیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اس بیداری کا اثر مساجد میں نمازیوں کی کثرت اور ذکر کی مجالس میں نظر آیا، اسلامی تعلیمات سے واقف ہونے کا شوق اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کا جذبہ مغربی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کر رہے نوجوانوں میں خاص طور پر بڑھا، وہ یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے اور اسلام سے واقف ہونے کی کوشش کرتے، دینی تربیتی حلقوں میں شریک ہوتے، اور ان جماعتوں سے وابستہ ہوتے جو اسلامی دعوت کا کام انجام دے رہی تھیں، یہ رجحان بہت تیزی سے بڑھا، اس لیے کہ وہ طلباء جو گذشتہ صدی میں یورپ تعلیم کی غرض سے جاتے تھے، وہ وہاں کے افکار ونظریات کے حامل ہو کر وطن واپس ہوتے تھے حتی کہ ان کا رہن سہن، کھانا پینا بھی یورپ کے باشندوں کے طرز پر ہوتا تھا، لیکن حالیہ صدی میں وہ یورپ جاتے ہیں مگر اسلامی تشخص کے ساتھ واپس آتے ہیں۔

اس بیداری کے اثرات بہت نمایاں تھے، اور اس بیداری سے یورپ اسلامی تحریکات نے فائدہ اٹھایا، جس سے یہ امید کی جا رہی تھی کہ عالم اسلام کا مستقبل تابناک اور روشن ہے، اسی وجہ سے بعض اسلامی قلمکاروں نے ''مستقبل اس دین کا ہے'' کے عنوان سے کتابیں بھی لکھیں، اور توقع تھی کہ سامراجی نظام کا زوال بہت جلد ہوگا، اس سوچ کو اس سے تقویت ملتی ہے کہ کچھ اسلامی ممالک میں انقلابات ہوئے اور اسلامی ذہن رکھنے والوں نے زمام اقتدار سنبھال لی، جیسے افریقہ اور ایشیا کے بعض ملکوں میں پیش آیا۔

یورپ نے اس بیداری کے خطرہ کو محسوس کر لیا، اور اس نے اس رجحان کو اپنے مفادات کے لیے اور اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے استعمال کیا اور اس بیداری اور اسلامی حمیت کو اس وقت درپیش مسائل کے حل کے عنوان سے تبدیل کرنے کے لیے سازشیں کیں۔

یورپ میں اسلام بیداری کی وجہ سے جو خوف پیدا ہوا ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لورنس براؤن کہتا ہے!

''اس سے پہلے ہم کو یہودیوں سے خطرہ تھا، چین وجاپان سے خطرہ تھا، لیکن ہم نے ان کو اپنا ہمنوا اور دوست پایا، اور دوسری عالمی جنگ میں جو ہمارے دشمن تھے وہ بھی ہمارے حلیف بن گئے، جہاں تک چین وجاپان کا تعلق ہے وہ جمہوری ممالک ہیں، لیکن حقیقی خطرہ مسلمانوں سے ہے، کیوں کہ ان کی طاقت میں وسعت وگہرائی ہے، وہ اپنی زندگی میں حیرت انگیز چیزوں کے مالک ہیں''۔

ایک بار ۱۹۵۲ء میں فرانس کے ایک ذمہ دار نے کہا:

''یورپ کو کمیونزم سے خطرہ نہیں، اصل خطرہ ہم کو جو لاحق ہے اور جس نے ہم کو ہلا کر رکھ دیا ہے، وہ خطرہ اسلامی بیداری کا ہے، مسلمان ایک خود مختار قوم ہے، وہ روحانی قوت کے حامل ہیں، ایک تاریخی تہذیب کے مالک ہیں، اور ان کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ اس تابناک تاریخ کے ذریعہ ایک نئی دنیا تعمیر کریں، ان کو یورپ کی چیزوں کی ضرورت نہیں ......

(باقی صفحہ نمبر/۶ پر)

عرش الٰہی کے سایہ میں

مولانا عبداللہ حسنی ندوی ؒ

قیامت کے دن جب گرمی کا سخت عالم ہوگا، اور سورج کی تمازت والی کیفیت ہوگی، اس وقت اچھے اچھے حیران و پریشان ہوں گے اور سب اپنے اپنے پسینہ میں اپنے اعمال کے بقدر ہوں گے، چنانچہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ میری عظمت کی وجہ سے محبت کرنے والے لوگ کہاں ہیں، آج میں ان کو سایہ دوں گا، لہٰذا اس دن اللہ کے سایہ میں جن لوگوں کو سایہ نصیب ہوگا، ان کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ وہ سات قسم کے خوش قسمت لوگ ہوں گے:

منصف حاکم: نمبر ایک امام عادل ہے، یعنی ایسا بادشاہ یا سربراہ حکومت اور حاکم وقت جس کے حاکم ہونے کی وجہ سے اس کے ایک ایک حکم کی تعمیل کی جاتی ہے، کیونکہ اس کے پاس ہر طرح کے اسباب مہیا ہیں، دنیا کا مال ومتاع، جاہ وجلال بھی موجود ہے، اس لیے وہ جس کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہے وہ سلوک کرسکتا ہے، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی حاکم وقت عدل وانصاف کو پامال نہیں کرتا، جس کا جو حق ہے وہ ادا کرتا ہے، نہ افراط میں مبتلا ہے نہ تفریط میں، تو ایسے حاکم کا مقام سب سے بلند ہے، اور عرش کے سایہ میں سب سے پہلے اس کو سایہ نصیب ہوگا، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس تمام اسباب موجود ہیں، وہ جس کے ساتھ جو چاہے کرسکتا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی وہ کوئی غلط کام نہیں کرتا ہے، بلکہ جو کام عدالت کے پیش نظر ہونا چاہئے وہی کرتا ہے۔

عبادت گزار نوجوان: نمبر دو وہ نوجوان ہے، جس کے اندر پوری طرح جوانی پائی جاتی ہو اور جوانی کے جتنے اسباب ہیں وہ سب مہیا ہوں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی عبادت میں پروان چڑھا ہو، لہٰذا ایسے نوجوان کو اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا، اس لیے کہ جوانی کی عبادت بھی جوان ہوتی ہے، اور بڑھاپے کی عبادت بوڑھی ہوتی ہے، گویا دونوں کی عبادتوں میں فرق ہے، البتہ جس نے جوانی ہی سے عبادت کی ہو تو اس کو سدا جوانی حاصل رہے گی، یعنی اس کے بڑھاپے کی عبادت بھی جوان رہے گی، لیکن اگر کسی نے جوانی میں عبادت نہیں کی، بلکہ بڑھاپے میں کی تو اس کی عبادت چاہے کیسی ہو، لیکن بوڑھی رہے گی، غرض کہ جو جوان اللہ کی عبادت میں لگتا ہے اس کی بات بہت انوکھی ہے، کیونکہ جوانی کے دن کھیلنے، ٹہلنے، رنگ رلیاں منانے کے سمجھے جاتے ہیں، اسی لیے جوانی کے متعلق حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ جوانی جنون یعنی پاگل پن کا ایک حصہ ہے، اسی لیے عموماً انسان اپنی جوانی کو غلط جگہ خرچ کرتا ہے، بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہیں جو جوانی کو صحیح جگہ پر لگاتے ہیں۔

قلب معلق: تیسرا وہ شخص ہے جس کا دل ہمیشہ مسجد میں لٹکا رہتا ہو، یعنی کسی انسان کا دل مسجد سے نکلتے ہی مسجد کی فکر میں رہے، یہ نہ ہو کہ اس شخص کا دل بازار میں لٹکا رہے، جیسا کہ آج کل ہوتا ہے، اسی لیے واضح رہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے بری جگہ بازار ہے، سب سے اچھی جگہ مسجد ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس شخص کا دل سب سے اچھی جگہ سے لٹکا رہے گا، تو اس کا دل بھی سب سے اچھا رہے گا، ورنہ اگر کسی کا دل سب سے بری جگہ سے لٹکا رہا، تو اس کا دل سب سے برا ہوگا، اسی لیے جس کا دل مسجد میں لٹکا رہتا ہے تو وہ چونکہ سب سے اچھے دل والا ہوتا ہے، لہٰذا اس کا مقام بھی سب سے بلند ہوتا ہے، اور عرش الٰہی کا سایہ ملنا بھی اس کے لیے طے ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اللہ کے لیے محبت: نمبر چار ایسے وہ دو شخص ہیں جو اللہ کے لیے آپس میں محبت کرنے والے ہوں، اور اللہ کے لیے ہی ملنے والے ہوں، اور اللہ کے لیے ہی جدا ہونے والے ہوں۔ لہٰذا اگر کوئی اس درجہ کی محبت کرنے والے ہوں گے تو ان کے ملنے میں بھی خاص برکت ہوگی، اور جدا ہونے میں بھی خاص برکت ہوگی، اسی لیے ایسے دو خوش نصیب لوگوں کے متعلق فرمایا گیا کہ ان کو عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا۔

پاکدامن انسان: پانچواں وہ شخص ہے جس کو کوئی خوبصورت عورت برائی کی دعوت دے اور وہ عورت صاحب جاہ بھی ہو، یعنی ایک طرف تو وہ حسن وجمال کا پیکر ہو، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ صاحب منصب بھی ہو، اور خاندانی حسب ونسب کی عورت ہو، اور وہ عورت کسی کو برائی کی دعوت دے، لیکن اس پر وہ شخص یہ کہہ

دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اس لیے ایسا غلط کام نہیں کر سکتا، تو ایسے شخص کو بھی اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔

صدقہ کا اخفاء: چھٹا وہ شخص ہے جو اس طرح چھپا کر صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر بھی نہ ہو سکے کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی صدقہ قابل قبول ہے جس میں کسی کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، اور نہ کسی پر احسان جتایا جائے، بلکہ اپنے اوپر اللہ کا بہت کرم سمجھا جائے کہ اس نے ہم کو ایسے لوگوں سے ملا دیا جن کو ہم صدقہ دے سکیں، جن کے پاس ہم زکاۃ کو صرف کر سکیں، گویا یہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے، اگر صدقہ وغیرہ دیتے وقت انسان کے ذہن میں یہ بات رہے گی تو انسان کے دل میں کوئی بری بات پیدا نہیں ہوگی، اور نہ ہی اس کے دل میں ایسا خیال آئے گا کہ مجھے بہت مانا جائے، لہٰذا جو شخص اپنے دل سے یہ بات نکال دے گا، تو اس کا مقام بہت بلند ہو جائے گا، اور اس کو عرش کا سایہ نصیب ہوگا۔

تنہائی میں رونا: ساتواں وہ شخص ہے جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے اور اس کی آنکھیں بہہ پڑیں، یعنی ایسا نہ ہو کہ مجمع میں خوب روتا ہو، جیسا کہ آج کل رواج چل رہا ہے، حالانکہ اسلام میں رواج کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لیے رواجی رونا پسندیدہ نہیں ہے، البتہ تنہائی میں انسان کو رونے جیسی صورت بنانا، یہ اللہ کو بہت پسند ہے، لیکن اگر کسی کے تنہائی میں ایک آنسو بھی نہ ہو، اور مجمع میں خوب روتا ہو، تو یہ پسندیدہ بات نہیں ہے، لیکن آج کل یہ بھی ایک فن چل گیا ہے جب کہ اللہ کو فنکاری پسند ہی نہیں ہے، کیونکہ ایسا رونا، رلانا اور مجمع میں رونے جیسا ماحول بنانا ایسا اسلام میں کچھ نہیں ہے، اسلام میں ہر چیز طبعی اور ہر چیز صحیح ہے، اور صحیح معنوں میں ہے۔

بقیہ: عالم اسلام کا موجودہ المیہ اور اس کا پس منظر

ان کو اپنا خواب شرمندہ تعبیر کرنے کے لیے اس صنعتی ترقی کی ضرورت ہے، جو یورپ نے حاصل کر لی ہے"۔

۱۹۹۰ء کے دوران ہنری کیسنجر (سابق امریکی وزیر خارجہ) نے سالانہ ملکی تجارتی کانفرنس میں اپنے خطاب میں کہا: "نئی جنگ جس کا یورپ کو سامنا ہے وہ عربی اسلامی جنگ ہے، یہ یورپ کے لیے اور پوری دنیا کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے"۔

یہودی مفکر صموئیل فلپ ہنٹنگٹن نے اپنی کتاب "تہذیبوں کا ٹکراؤ یا تہذیبوں کی جنگ" میں اور ویٹی کن نے اپنی سالانہ رپورٹوں میں لکھا ہے کہ عیسائی مشنریوں کی انتھک محنتوں اور کوششوں کے باوجود اسلام بہت تیزی سے پھیل رہا ہے، اور عیسائیت کے لیے اسلام ہی خطرہ ہے۔

جرمن مستشرقہ زیگریڈ نے اپنی کتاب "اسلام کا سورج یورپ پر طلوع ہو رہا ہے" کے ذریعہ یورپ کو ہوشیار کرنے کی کوشش کی۔

یورپ کے قائدین نے اس اسلامی بیداری کو روکنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی فکر کی، یورپ نے اس خطرہ کا سامنا کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی تاکہ اس پر غور کیا جائے، اس رینڈ نامی کمیٹی نے عالم اسلامی کے تعلق سے تحقیق و تفتیش کے لیے ایک رپورٹ تیار کی اور اس کو ۲۰۰۵ء میں امریکی حکومت کے پاس بھیج دیا تاکہ وہ ایک لائحہ عمل بنائے، اس نے یہ تجویز دی کہ مسلمانوں میں منافرت کا بیج بویا جائے، خانہ جنگی کے حالات پیدا کیے جائیں، سنیوں اور شیعوں میں ٹکراؤ پیدا کیا جائے، عرب اور غیر عرب کے درمیان تعلقات کو ناخوشگوار بنایا جائے، ان تمام کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان انتشار اور بکھراؤ کا شکار ہو گئے، وحدت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا، اسلامی ممالک میں غیر اسلامی ذہن رکھنے والوں کا حکومت کی زمام کار سنبھالنا اور اسلام پسندوں کو جیلوں میں ڈالنا یورپ کی اسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی ممالک یورپ کی ان سازشوں کو سمجھیں، ہوش کے ناخون لیں، اور ان انقلابات کے پیچھے جو صہیونی سازشیں ہیں ان سے باخبر ہوں، اور اس کا تدارک کریں، آستین کے سانپوں سے واقف ہوں، اور ان کی کوششوں کو ناکام کریں، لیکن مسلم قائدین صحیح صورتحال کو سمجھنے اور پلاننگ کرنے میں ناکام نظر آ رہے ہیں، جانوں کا نقصان کوئی بڑا المیہ نہیں ہے، بڑا المیہ یہ ہے کہ المیوں کے اسباب پر غور نہ کیا جائے اور پے در پے پیش آنے والے حالات سے سبق نہ لیا جائے۔

(ترجمانی: محمد امین حسنی ندوی)

اسلامی عقائد

قرآن وحدیث کی روشنی میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

عقیدۂ آخرت: آخرت کا عقیدہ اسلام کے تین بنیادی عقیدوں میں سے ہے، جب تک آخرت کا یقین نہ ہو اور انسان اس کو دل سے مان نہ لے، اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوسکتا، سورہ بقرہ کے آغاز ہی میں اہل تقوی کی جو صفات بیان ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ ایمان بالآخرۃ کا تذکرہ ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُون﴾ (البقرۃ:۴) (اور آخرت کو یہی (لوگ) یقین جانتے ہیں)

انسان کی زندگی میں خوف خدا کے بعد سب سے گہرا جو اثر پڑتا ہے وہ آخرت کے یقین کا ہے، جس کو جتنا زیادہ آخرت کا خیال اور استحضار رہتا ہے اس کے اعمال واخلاق اسی کے اعتبار سے مرتب ہوتے ہیں، قرآن مجید میں عقیدہ توحید کے بعد سب سے زیادہ آخرت کے دھیان کی دعوت دی گئی ہے، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ توحید اور آخرت ہی انسانی زندگی میں تبدیلی پیدا کرنے اور ان کو صحیح رخ پر لانے کی سب سے طاقتور بنیادیں ہیں، اگر یہ بنیادیں نہ ہوں تو انسان کی زندگی چوب خشک ہوکر رہ جائے اور سوائے دنیوی نفع ونقصان کے اور کوئی چیز انسان کے اندر حرکت پیدا کرنے والی نہ ہو۔

جس طرح توحید کے باب میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اس کی تفصیلات کا علم صرف اللہ کے رسول ﷺ سے ہی ہوتا ہے اسی طرح آخرت کے علم کا بھی صرف ایک ہی ذریعہ ہے، اور وہ صرف انبیاء علیہم السلام ہیں، جن کے امام سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، جن کے ذریعہ سے آخرت کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں، اگر نبیوں کی تعلیمات نہ ہوں تو انسان آخرت کے سلسلہ میں بھٹکتا ہی رہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ☆ بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ﴾ (النمل: ۶۵-۶۶) (بتا دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں ڈھکی چھپی چیز کا جاننے والا کوئی نہیں صرف اللہ ہے اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے ☆ بات یہ ہے کہ آخرت کے بارے میں ان کا علم بالکل ٹھپ پڑ گیا ہے بلکہ وہ اس کے بارے میں شبہ میں ہیں بلکہ (واقعہ یہ ہے) کہ وہ اس سلسلہ میں اندھے ہیں)

اب آخرت کے یقین کے بعد انسان اپنے اندر کیا تبدیلی لائے اور کیا طریقہ کار اختیار کرے؟ اس کا صحیح راستہ معلوم کرنے کا بھی تنہا ایک ہی راستہ ہے، جس کا تعلق عقیدہ رسالت سے ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضیات معلوم کرنے کا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، رسولوں ہی سے انسانوں کو ہدایت ملتی ہے، جن میں آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔

یہ سب عقائد وہ ہیں جو انسان کو صحیح رخ دیتے ہیں اس کی زندگی میں صالح انقلاب برپا کرتے ہیں، اور اس کو اصل کامیابی سے ہم کنار کرتے ہیں۔

اگر یہ تین بنیادی عقائد متزلزل ہوں تو انسان کی زندگی بھی دنیا کے تھپیڑوں میں گھر کر رہ جاتی ہے، اور اسی نشیب وفراز میں وہ اپنی عمر پوری کرکے فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے، اور دوسری زندگی اس کی بد سے بدتر ہوگی، جہاں سوائے حسرت ویاس کے اور کچھ اس کے ساتھ نہ ٹک سکے گا۔

آخرت کے معنی آخر میں آنے والی چیز کے ہیں، قرآن مجید میں یہ لفظ ۱۱۳ ؍جگہوں پر آیا ہے، کئی جگہوں پر صرف لفظ ''آخرۃ'' آیا ہے، اور متعدد مقامات پر وضاحت کے ساتھ اس کا استعمال ہوا ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ﴾ (العنکبوت:۶۴) (اور یہ دنیا کی زندگی بس کھیل اور تماشا ہے اور اصل زندگی تو بس آخرت ہی کا گھر ہے، کاش کہ وہ جان لیتے)

دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ﴾ (الانعام:۳۲) (اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے)

سورہ توبہ میں ارشاد ہوا ﴿أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ﴾ (التوبۃ:۳۸) (کیا تم آخرت کے مقابلہ دنیا ہی کی زندگی میں مگن ہوگئے ہو)

ان استعمالات سے پوری وضاحت ہوجاتی ہے کہ جہاں

کہیں بھی لفظ " آخـرۃ" تنہا استعمال ہوا ہے اس سے بھی مراددار آخرت یا حیاۃ آخرت ہے، اس کے مقابل ہماری موجودہ زندگی کو الحیاۃ الدنیا کہا گیا ہے، دنیا کے معنی قریب کے ہیں، یہ زندگی یا یہ گھر ہمارے سامنے ہے اور ہم سے قریب ہے، اور وہ دوسرا گھر یا دوسری زندگی نگاہوں سے ابھی دور ہے، وہی اصلی اور آخری زندگی ہے جس کو" آخرت" کہتے ہیں، یہ دنیا کی زندگی اللہ تعالیٰ نے آخرت کی زندگی کے لیے بنائی ہے، اور وہاں کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار دنیا کی زندگی پر رکھا ہے، اسی لیے ایک حدیث میں یہ الفاظ منقول ہیں "الدنیا مزرعۃ الآخرۃ" دنیا آخرت کی کھیتی ہے انسان جیسی کھیتی یہاں کرے گا وہاں اس کا اس کے مطابق محصول ملے گا، یہ ایک بہترین مثال ہے، جس سے بات سمجھائی گئی ہے کہ جو جتنا زیادہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق زندگی گزارے گا وہ اتنا ہی زیادہ کامیاب قرار دیا جائے گا، اسی لیے اس دنیا کو" دارالامتحان" بھی کہا گیا ہے۔

آخرت کی اس زندگی کا یقین کرنا اور یہ ماننا کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے جو ہمیشہ ہمیش کے لیے ہوگی اور اس میں آدمی کو اپنے کیے کے مطابق بدلہ ملے گا، اسلام کے تین بنیادی عقیدوں میں سے تیسرا عقیدہ ہے جس کو" عقیدہ آخرت" کہتے ہیں۔

آخرت کا یقین

".....اگر وہ مؤمن ہے اور عمل صالح رکھتا ہے تو اس کو یقین ہے کہ اس کی ساری تکلیفوں کا وہاں (آخرت میں) بدلہ ملے گا، یہ چار دن کی زندگی تو کسی نہ کسی طرح گزر جائے گی، پھر وہاں اس کا خیال بھی نہیں ہوگا، نیز آخرت کا عقیدہ، دیدار الٰہی کا شوق اور جنت کا اشتیاق، انسان میں ایسی سرفروشی بلکہ خود فراموشی پیدا کر دیتا ہے اور ایسا نشہ طاری کر دیتا ہے جو دوسری تدبیروں، مسکرات، رجزیہ اشعار اور دوسرے طریقوں سے ممکن نہیں، مومن اپنی جان کو ایک فروخت کیا ہوا سودا سمجھتا ہے جس کی قیمت اس کو جنت کی صورت میں ملے گی"۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

زبان کی حفاظت

عبدالرحمٰن صدیقی ندوی

زبان اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، اسی کے ذریعہ سے انسان تمام مخلوقات پر فائق ہے، یہ زبان انسان کے دل کا آئینہ ہے، زبان سے انسان کے دل کو سمجھا جاتا ہے اور دل سے انسان کی ذات سمجھ میں آتی ہے، اسی زبان کے ذریعہ انسان اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کے ذکر کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرتا جاتا ہے، لیکن اگر یہی زبان غلط جگہ پر چلنے لگے، اور اس کا آزادانہ استعمال ہونے لگے تو انسان اللہ کی رحمتوں سے دور ہو جاتا ہے اور اس کے عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ایک آدمی اللہ جل شانہ کی خوشنودی کا کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے جسے وہ کچھ اہم نہیں سمجھتا لیکن اللہ تعالیٰ اسی کلمہ کی وجہ سے اس کا درجہ جنت میں بلند کر دیتا ہے، اور آدمی اللہ جل شانہ کے ناراضگی کے کلمہ کو زبان سے نکالتا ہے، جسے وہ بالکل معمولی اور ہلکا سمجھتا ہے، لیکن اس کلمہ کی وجہ سے وہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

عام طور پر انسان اپنی زبان سے کوئی بات کہتا ہے لیکن اس کو یہ خیال بھی نہیں گذرتا کہ دوسروں پر اس کی اس بات کا کیا اثر پڑ رہا ہے، کیونکہ بسا اوقات وہ بات بہت ہی معمولی نظر آتی ہے لیکن کبھی اس سے کسی کا دل خوش ہوتا ہے اور کبھی اس کی چوٹ سیدھے دل پر پڑتی ہے، اس لیے اس کا اکثر لحاظ رکھنا چاہیے کہ ہم جو کچھ کہیں اس سے اگر کسی کو کوئی نفع نہ پہنچے تو کوئی نقصان بھی نہ پہنچنے پائے۔

آج ہمارے آپسی اختلافات کی ایک بنیادی وجہ ہماری زبان کا غلط استعمال بھی ہے، ہمیں اپنی زبانوں پر قابو نہیں رہتا اور ہم دوسروں سے متعلق سخت اور نامناسب کلمات کہہ جاتے ہیں۔

غیبت کرنا، چغلی کرنا، جھوٹ بولنا، کسی کا مذاق اڑانا، یہ سب وہ سنگین گناہ ہیں جن کو ہم بہت ہی معمولی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان گناہوں کی بے برکتی سے ہم اللہ کی رحمت سے دور ہوتے جا رہے ہیں، اس لیے ہمیں سوچ سمجھ کر اپنی زبان کا استعمال کرنا چاہیے تاکہ دوسروں کی نظر میں بھی ہماری عزت ہو اور عنداللہ بھی ہم مستحق اجر ہوں۔

دم حیض کے چند احکام

مفتی راشد حسین ندوی

بلوغ کے بعد عورتوں کو شرمگاہ سے خون آنا شروع ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے فطری نظام کے تحت ہے، نبی کریم ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا: ''یہ ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں پر مقرر کردی ہے'' (بخاری، مسلم)

اس کا سلسلہ بلوغ سے شروع ہوتا ہے اور بلوغ کی کوئی متعین عمر نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا مدار آب وہوا، غذا اور انسانی مزاج پر ہوتا ہے، لیکن فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ خون ۹ ر سال سے پہلے نہیں آسکتا، اگر اس سے پہلے آئے تو یہ فطری نظام کے تحت آنے والا خون یعنی حیض نہیں ہے بلکہ کسی بیماری کے تحت ہے لہٰذا اس پر حیض کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ (ہندیہ: ۱/۳۶)

اس خون کا آنا عورت کی صحت مندی کی علامت ہے، اس کا نہ آنا یا آنے میں کسی رکاوٹ کا پیدا ہونا بیماری کی علامت ہے، اسی لیے حکماء سختی سے منع کرتے ہیں کہ اس کو روکنے کی کوشش نہ کی جائے ورنہ سنگین بیماریوں کے پیدا ہوجانے کا خطرہ رہتا ہے، اسی خون سے ماں کے رحم میں بچہ کی نشو ونما ہوتی ہے، اسی لیے حمل کی حالت میں اس خون کا آنا بند ہو جاتا ہے، اس کے چند ضروری احکام ہم ذیل میں لکھ رہے ہیں، لیکن یہ وضاحت ضروری ہے کہ حیض کے احکام میں بعض اوقات بڑی باریکیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جن کو تحریر میں لانا مناسب بھی نہیں معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اگر بہنوں کو اس سلسلہ میں کوئی دشواری محسوس ہو تو کسی معتبر عالم سے اپنے گھر والوں کے ذریعہ معلومات حاصل کرلیا کریں۔

حیض کی تعریف: حیض کے لفظی معنی سیلان یعنی بہنے کے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں اس خون کو کہتے ہیں جو بالغہ عورت کی شرمگاہ سے ہر ماہ (نو سال سے لے کر ۵۵ ر سال کی عمر تک) آتا ہے۔ (شامی: ۱/۲۰۷، ہندیہ: ۱/۳۶)

حیض کی اقل و اکثر مدت: حیض کی کم سے کم مدت تین دن تین رات ہے، اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن دس رات ہے۔ (ہندیہ: ۱/۳۶، شامی: ۱/۳۷) چنانچہ دار قطنی میں حضرت ابوامامہ باہلیؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''باکرہ اور ثیبہ دونوں کا حیض کم از کم تین دن ہوتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ حیض دس دن ہوتا ہے''۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی عورت کو ایک دن یا دو دن خون آ کے بند ہو گیا تو یہ حیض کا خون نہیں ہے، نہ ہی اس پر حیض کے احکام جاری ہوں گے، اسی طرح دس دن سے زیادہ خون آئے تو دس دن سے زیادہ آنے والا خون حیض کا نہیں ہوگا، نہ ہی اس پر حیض کے احکام جاری ہوں گے۔ (ہندیہ: ۱/۳۶)

طہر کی اقل و اکثر مدت: ایک حیض کے ختم ہونے کے بعد جب عورت حیض سے پاک ہو جاتی ہے تو پاکی کے اس زمانہ کو ''طہر (یعنی پاکی) کی مدت'' کہا جاتا ہے، پاکی کی کم سے کم مدت پندرہ دن مقرر کی گئی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو تین دن یا اس سے زیادہ کا حیض آیا، پھر پندرہ دن گزرے بھی نہیں تھے، صرف بارہ تیرہ دن گزرے تھے کہ دوبارہ پھر خون آنے لگا تو یہ حیض کا خون نہیں ہے، بیماری کے سبب ہے، لہٰذا اس پر حیض کے احکام جاری نہیں ہوں گے، البتہ اگر ایک دفعہ تین دن یا اس سے زیادہ کا حیض آیا، پھر پندرہ دن پاکی رہی، اس کے بعد پھر دم آنے لگا تو یہ دوسرا حیض مانا جائے گا۔ (شامی: ۱/۲۰۹)

پاکی کی زیادہ مدت کی کوئی حد بندی شرعاً نہیں کی گئی ہے، لہٰذا جب تک اس کو خون نہیں آرہا ہے، اسے پاک سمجھا جائے گا، یہاں تک کہ اگر پوری عمر خون نہ آئے تو پوری عمر اس کو پاک سمجھا جائے گا۔ (شامی: ۱/۲۰۹)

حیض کے خون کا رنگ: حیض کی مدت کے اندر سرخ زرد، ہرا، مٹیالا، کالا اور گدلا جس رنگ کا بھی خون آئے وہ

حیض ہی مانا جائے گا، البتہ سفید مادہ نکلے تو وہ حیض نہیں ہے (شامی:۱/۲۱۱) اس لیے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس عورتیں تھیلی میں کرسف (حیض کے زمانہ میں شرمگاہ پر رکھی جانے والی روئی وغیرہ) رکھ کر بھیجتی تھیں جس پر زردی ہوتی تھی تو حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں: ''جلدی نہ کرو یہاں تک کہ سفید روئی دیکھ لو''۔ (موطا)

جب خون عادت کے دنوں سے بڑھ جائے: اگر کسی عورت کی حیض کی عادت تین چار یا پانچ دن تھی، پھر کسی مہینہ میں اس سے زیادہ دن تک آیا تو اس کی دو شکلیں ہوں گی، اور دونوں کے احکام الگ ہیں:

۱-اگر ایام عادت سے بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ خون دس دن سے بھی بڑھ گیا تو حیض صرف ایام عادت کے دوران آنے والے خون کو قرار دیا جائے گا، اس سے بڑھ جانے والے تمام ایام کا خون استحاضہ یعنی بیماری کا ہوگا اور اس کے احکام حیض کے نہیں ہوں گے۔

۲-دوسری صورت یہ ہوگی کہ ایام عادت سے تو خون بڑھا لیکن دس دنوں کے اندر اندر رہا، دس دن سے نہیں بڑھا تو یہ تمام دن حیض کے ہوں گے، اور یہ مانا جائے گا کہ اس عورت کی عادت بدل گئی ہے۔ (شامی:۲۰۸-۱/۲۰۹)

اور اگر کسی لڑکی کو پہلی ہی بار خون آیا اور دس دن سے تجاوز کر گیا تو دس دن حیض کے ہوں گے، بقیہ بیماری یعنی استحاضہ کے۔ (شامی:۱/۲۰۸)

اگر خون رک رک کر آئے: اگر تین دن یا اس سے زیادہ دن خون آئے، پھر پندرہ یا پندرہ دن سے زیادہ تک پاکی رہے، اس کے بعد تین دن یا اس سے زیادہ خون آئے تو شروع اور بعد میں آنے والا خون حیض کا مانا جائے گا، اور پندرہ دن پاکی کے مانے جائیں گے اور اگر شروع یا بعد میں آنے والا خون تین دن سے کم جاری رہے تو وہ استحاضہ کا خون مانا جائے گا اور اس پر حیض کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

اور اگر کسی ایسی عورت نے جس کو مہینہ کے کسی خاص حصہ میں خون آیا کرتا تھا اپنے ایام عادت سے ایک دن پہلے خون دیکھا، پھر دس دن تک پاک رہی، پھر ایک دن پھر خون دیکھا تو اس کے عادت کے تمام ایام حیض کی حالت کے سمجھے جائیں گے اگرچہ ان ایام میں خون نہیں آیا ہے، اس کے باوجود یہ حکم ہوگا، اسی سے سمجھا جاسکتا ہے کہ حیض کے ایام میں خون نہ آئے تب بھی عورت شرعاً حیض کی حالت میں ہوتی ہے بشرطیکہ پاکی سے پہلے اور بعد میں دم آیا ہو اور پاکی کی مدت چودہ دن سے کم رہی ہو۔ (شامی:۱/۲۱۲)

حیض کے مخصوص احکام: حیض کی حالت میں مندرجہ ذیل چیزیں شرعاً منع ہیں:

۱-حیض کی حالت میں بیوی سے جماع کرنا حرام ہے، جب تک وہ پاک نہ ہو جائے، ساتھ میں کھانا، پینا، لیٹنا جائز ہے، لیکن جماع کی ممانعت ہے، اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى......﴾ (البقرة:۲۲۲) (وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجیے کہ وہ ایک گندگی ہے، تو حیض میں عورتوں سے الگ رہو، اور وہ جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے قربت مت کرو، تو جب وہ پاک ہو جائیں تو جیسے اللہ نے تمہیں بتایا ہے اس کے مطابق تم ان سے تعلق قائم کرو)۔

اگر کسی سے یہ گناہ ہو جائے تو وہ اللہ سے توبہ واستغفار کرے، وجوبی طور پر اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے، لیکن حدیث میں کفارہ کا ذکر آتا ہے، لہٰذا مستحب یہ ہے کہ اگر یہ گناہ گہرے سرخ رنگ کا خون آنے کے زمانہ میں ہو جائے تو ایک دینار (۴ر گرام ۳۷۴ر ملی گرام سونا)، اور پیلے رنگ کا خون آنے کے زمانہ میں ہو جائے تو نصف دینار (۲ر گرام ۱۸۷ر ملی گرام سونا) یا اس کی قیمت غریبوں پر صدقہ کرے۔ (شامی:۱/۲۱۸)

۲-نماز، ہر طرح کے سجدے، تلاوت قرآن، طواف، قرآن مجید چھونا، اور مسجد میں داخل ہونا حائضہ کے لیے منع ہے، البتہ ذکر اذکار اور دعا کرنا جائز ہے، یہاں تک کہ دعا کے طور پر قرآن کی کوئی آیت بھی پڑھ سکتی ہے۔

اگر قرآن پڑھانے والی معلمہ حالت حیض میں ہو تو وہ پوری آیت کے بجائے ایک-ایک کلمہ کرکے پڑھائے، مثلاً الحمد-للہ-رب العالمین۔ (شامی:۲۱۳-۱/۲۱۵، کتاب المسائل:۱/۲۰۹)

۳-حالت حیض میں روزہ رکھنا بھی منع ہے، البتہ فرق یہ ہے کہ روزوں کی بعد میں قضاء کرنا ضروری ہے، جب کہ ایام حیض کی نمازیں

معاف ہوجاتی ہیں اوران کی قضانہیں ہے(شامی:۱/۲۱۳)

اس لیے کہ حضرت معاذہ فرماتی ہیں: میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا، کیابات ہے کہ حائضہ روزے کی قضا کرتی ہے اور نماز کی قضانہیں کرتی؟ فرمایا: نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہمیں یہ حالت پیش آتی تھی تو ہمیں روزے کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضاء کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔(بخاری، مسلم)

۴-اس حالت میں قرآن مجید لکھنا منع ہے، اسی طرح کسی ایسی کتاب کالکھنا بھی منع ہے جس کی بعض سطروں میں آیات قرآنیہ بھی لکھی ہوئی ہوں۔(ہندیہ:۱/۳۹)

اسی طرح اس حالت میں قرآن کریم کو ٹائپ مشین میں ٹائپ کرنا یا کمپیوٹر میں کمپوز کرنا بھی مکروہ ہے، قرآن کریم کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ کامل پاکی کے بعد ہی یہ کام انجام دیا جائے۔ (کتاب المسائل:۱/۲۱۰)

۵-جب یہ حالت ختم ہوجائے توغسل کرنافرض ہے۔ (ہندیہ:۱/۳۹)

حالت حیض میں دینی کتابوں کا مطالعہ اور درس

حالت حیض میں دینی کتابوں کا مطالعہ اور درس: ناپاکی کے ایام میں دینی کتابوں کا پڑھنا، مطالعہ کرنا، اور درس دینا جائز ہے، لیکن ان میں جہاں قرآن کریم کی آیت لکھی ہواس جگہ ہاتھ لگانا یا وہ آیت زبان سے پڑھنا جائزنہیں ہے۔(شامی:۱/۱۳۰)

جب نماز پڑھنے کے دوران حیض آجائے: اگر فرض نماز پڑھنے کے دوران حیض آگیا تو وہ نماز بالکل معاف ہوجائے گی، لیکن اگرنفل نماز پڑھنے کے دوران حیض آگیا تو بعد میں اس کی قضاء کرناضروری ہے۔(شامی:۱/۲۱۳)

اوراگرکسی نماز کے آخری وقت میں حیض آگیا اور اس نے ابھی تک نمازنہیں پڑھی تھی، تب بھی یہ نماز معاف ہوجائے گی، بعد میں اس کی قضانہیں ہے۔(ایضاً)

انقطاع دم کے بعد کے کچھ احکام:

۱-اگردس دن حیض آنے کے بعد کسی نماز کے آخری وقت میں خون بند ہوا، لیکن ابھی اتنا وقت باقی ہے کہ ''اللہ اکبر'' یعنی تکبیر تحریمہ کہہ سکتی تھی تو اس نماز کی قضاء لازم ہوگی۔

۲-اگردس دن سے کم حیض اگرکسی نماز کے وقت میں بند ہو گیا، اور ابھی اتنا وقت باقی ہے کہ غسل کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکتی ہے تو یہ نماز اس پر فرض ہوگئی، بعد میں اس کی قضاء کرنا ضروری ہے، اور اگر اتنا وقت نہیں ہے کہ غسل کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکے تو یہ نماز فرض نہیں ہوئی، اس کے بعد والی نماز سے شروعات کرے۔

۳-اگرکسی کی عادت مثلاً، پانچ دن خون آنے کی ہے اور چار دن خون آ کے بند ہوگیا یعنی اس کی ہمیشہ کی جو عادت ہے اس سے پہلے بند ہوگیا تو اس پر احتیاطی طور پر یہ ضروری ہے کہ غسل کرے اور نماز شروع کردے، لیکن جب تک عادت کے دن پورے نہ ہوجائیں جماع کرنا جائزنہیں ہوگا۔(شامی:۱/۲۱۵-۲۱۸)

۴- اگر دس دن مکمل ہونے کے بعد رمضان المبارک کی رات کے بالکل آخری حصہ میں پاک ہوئی، صبح صادق ہونے میں صرف اللہ اکبر کہنے کے بقدر وقت باقی تھا، تو اس دن کا روزہ رکھنا معتبر ہوگا، اور اگر دس دن سے کم میں خون بند ہوا ہے تو اگر صبح صادق میں اتنا وقت باقی ہو کہ غسل کر کے تکبیر تحریمہ کہہ سکتی ہے تو اس دن کا روزہ رکھنا معتبر ہوگا، ورنہ اس سے کم باقی ہو تو اس دن روزہ نہیں رکھ سکتی۔(شامی:۱/۲۱۷، کتاب المسائل:۱/۲۰۸)

مخالفت کا حاصل!

''وہ لوگ جنہیں قدرت محاسن ومحامد سے نوازتی ہے ان کے مخالف ضرور ہوتے ہیں، لیکن ایسے حریف لائق اعتناء نہیں ہوتے، انہیں جواب دینے سے جواب نہ دینا ہی بہتر ہے، آدمی مخالفوں سے الجھ کر کچھ پاتا نہیں، کھوتا ہے، لڑائی افراد سے نہیں نظریات سے ہونی چاہیے، جو اصولوں کے بجائے آدمیوں سے لڑتے ہیں وہ اپنے افکار و نتائج کو خود گزند پہنچاتے ہیں، مخالفوں سے ذاتیات کی جنگ میں ہجو مزہ تو دیتی ہے مگر یہ ایک ایسا نشہ ہے جیسا کہ بعض لوگ بھنگ پی کر سرور خاص کرتے ہیں، افیون کھا کر سرشار ہوتے ہیں اور شیشۂ شراب اٹھا کر ماورائے کائنات چلے جاتے ہیں، ادھر نشہ اترتا تو ابکائیاں آنے لگتی ہیں اور پھر وہ دن سرعت سے آتا ہے جب محسوس ہوتا ہے کہ صحت کی دیوار گر چکی ہے اور اعضاء ساتھ نہیں دے رہے ہیں''۔

(مولانا ابوالکلام آزادؒ)

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

خلیل احمد حسنی ندوی

صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ وہ جماعت ہے جس نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت، خدا کی خوشنودی اور رضامندی حاصل کرلی تھی، ان مبارک حضرات کا تذکرہ قرآن کریم میں جابجا ملتا ہے، کہیں ان کے بارے میں آتا ہے ﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ (المائدة:۱۱۹) (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے)، کہیں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں ملتا ہے: ﴿وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقاً﴾ (النساء:۶۹) (اور جو لوگ اللہ اور رسول کی پیروی کریں گے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیکوکار، اور یہ کیا ہی خوب ساتھی ہیں)، کہیں ان کا ذکر اس طرح آتا ہے، ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللّٰهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ......﴾ (التوبة: ۲۰-۲۲) (جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے یہاں سب سے اونچا مقام رکھتے ہیں، اور وہی لوگ کامیاب ہیں)، کہیں ان کا تذکرہ محبوب خدا محمد ﷺ کے ساتھ کیا جاتا ہے، ﴿ثُمَّ أَنزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (التوبة:۲۶) (پھر اللہ تعالی نے سکینت اپنے رسول اور مسلمانوں پر اتاری)، ﴿مُّحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً﴾ (الفتح:۲۹) (محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ انکاریوں پر زور آور ہیں، آپس میں مہربان ہیں، آپ انہیں رکوع اور سجدے کرتے دیکھیں گے، اللہ کا فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں، ان کی علامتیں سجدوں کے اثر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں)۔

یہ وہ جماعت ہے جس کو نبی کی صحبت حاصل ہوئی اور اس صحبت سے اس نے بھرپور فائدہ بھی اٹھایا، جس نے اپنا تن، من، دھن سب اللہ کی رضا کے حصول کے لیے، اس کے رسول کی محبت کی خاطر اور اس کے دین کی مدد کے لیے لٹادیا تھا، یہ وہ جماعت ہے جس کی توجہ کا مرکز اور محبت کا محور صرف ذات نبی تھی، ان کی زندگیاں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کا عکس جمیل تھیں، یہی وہ صفات تھیں جس نے ان کو آسمان کا چمکتا ہوا وہ ستارا بنادیا تھا جس سے ان کے بعد کے لوگ روشنی تو حاصل کرتے ہیں مگر اس تک رسائی پانا ان کے لیے ممکن نہیں، صحبت نبی نے ان کو ایمان کی اس لذت سے آشنا کردیا تھا جو لذت ہزاروں برس کی ریاضت کے بعد بھی حاصل نہیں ہو پاتی، وہ لذت ان کو چند منٹ کی صحبت اور صحبت کے نتیجہ میں محبت سے حاصل ہو گئی تھی، یہی وہ لذت آشنائی تھی جس نے ساحران موسی کو ایسا ایمان نصیب کردیا تھا کہ انہوں نے فرعون کی دھمکی کے جواب میں کہا، ﴿فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ﴾ (طٰہٰ:۷۲) (آپ کو جو فیصلہ کرنا ہو کیجیے)، آپ کا فیصلہ تو اس دنیا ہی کی زندگی تک ہے، ہم اپنے رب پر ایمان لاچکے تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو اور آپ نے جس جادو پر ہمیں مجبور کیا اس کو معاف کردے اور اللہ ہی بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔

صحابہ کرام جس چیز میں سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز تھے وہ ان کی فدائیت اور رسول اللہ ﷺ سے ان کی محبت وعقیدت تھی، یہی وجہ تھی کہ جانثاری کے وہ حیران کن واقعات ان سے صادر ہوئے کہ اگر تواتر کے ساتھ وہ واقعات سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں محفوظ نہ ہوتے تو عقل انسانی اس کو تسلیم کرنے سے انکار کردیتی، ان کی جانثاری کو ان کے سخت ترین دشمنوں اور خون کے پیاسوں نے بھی تسلیم کیا ہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی جن کو قریش نے اپنا قاصد بنا کر آپ ﷺ کے پاس بھیجا تھا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اس نے ان کے دل پر عجب اثر کیا، قریش سے جاکر کہا، میں نے قیصر وکسری ونجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی، محمد ﷺ بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر دیکھ نہیں سکتا، وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے اس پر لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں، لعاب دھن عقیدت کیش

ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں، اور چہرہ اور جسم پر مل لیتے ہیں۔

اب آیئے چند نمونے پیش کرتے ہیں صحابہ کرام کی محبت وجانثاری کے:

حضرت خبیبؓ جب کافروں کی قید میں تھے، اور سولی کا پھندا ان کے لیے تیار کیا جاچکا تھا، اس وقت ایک سخت دل نے ان کے جگر کو چھیدا اور پوچھا، کہو کیا تم یہ پسند کروگے کہ محمد ﷺ پھنس جائیں اور میں چھوٹ جاؤں، عاشق رسول نے نہایت جوش سے جواب دیا، خدا جانتا ہے میں تو یہ بھی برداشت نہیں کرپاؤں گا کہ کہ میری جان بچے اور نبی ﷺ کے پاؤں میں معمولی سا کانٹا بھی چھبے۔

حضرت زید بن الدثنہؓ کو قتل کے لیے حرم سے باہر لایا گیا، اس وقت قریش کے بہت سے لوگ وہاں جمع تھے، ابوسفیان بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے حضرت زیدؓ سے کہا، زیدؓ: قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کیا تم یہ پسند کروگے کہ تم آرام سے اپنے گھر میں گھر والوں کے ساتھ ہو اور تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوں؟ انہوں نے تڑپ کر جواب دیا، مجھے تو یہ بھی گوارہ نہیں کہ میں اپنے گھر میں آرام سے ہوں اور محمد ﷺ کو ایک کانٹا بھی چھبے، ابوسفیانؓ نے اس پر کہا: "مَا رَأَیْتُ مِنَ النَّاسِ أَحداً یُحِبُّ أَحداً کَحُبِّ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ مُحَمَّداً" میں نے کسی کو کسی سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ سے کرتے ہیں۔

غزوہ احد میں حضرت ابودجانہؓ نے اپنی پیٹھ کو آپ ﷺ پر جھکا کر ڈھال بنادیا تھا، تیر ان کی پیٹھ پر لگ رہے تھے، اور وہ بے حس وحرکت کھڑے تھے، اسی موقع پر زور شور کا حملہ کافروں کی جانب سے ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا، کون ان کو پیچھے ڈھکیلتا ہے، اور جنت لیتا ہے، سات انصاری کھڑے تھے، ایک ایک آدمی باری باری بڑھتا رہا اور آپ ﷺ یہی فرماتے رہے، ساتوں اسی جگہ کام آگئے، حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھ سے سپر کا کام لیا اور حضور ﷺ کی جانب آنے والے تیر اپنے ہاتھ پر روکے، یہ ہاتھ ہمیشہ کے لیے شل ہوگیا تھا، حضرت ابوطلحہؓ جو مشہور تیر انداز تھے انہوں نے سپر حضور کے چہرہ پر اوٹ کرلیا تھا کہ آپ ﷺ پر کوئی وار نہ آنے پائے، آپ ﷺ کبھی گردن اٹھا کر دشمنوں کی فوج کی طرف دیکھتے تو یہ عرض کرتے، آپ گردن نہ اٹھائیں، ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر آکر لگ جائے، یہ میرا سینہ سامنے ہے، اسی موقع پر ایک دفعہ پھر کافروں کی جانب سے ہجوم ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا، کون مجھ پر جان دیتا ہے، زیاد بن سکنؓ پانچ انصاری لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لیے بڑھے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر اپنی جانیں فدا کردیں، زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان کا لاشہ قریب لاو، لوگ اٹھا کر لائے، کچھ کچھ جان باقی تھی، قدموں پر سر رکھدیا، اور اسی حالت میں جان دی۔

ایک خاتون جن کے باپ، بھائی اور شوہر سب اسی معرکہ میں شہید ہوگئے تھے، لیکن انہوں نے ان میں سے کسی کے بارے میں کچھ نہ پوچھا، البتہ حضور ﷺ کے بارے میں ہر ایک سے پوچھتی رہیں کہ آپ ﷺ کیسے ہیں؟ سب کی طرف سے یہی جواب ملا: حضور اکرم ﷺ خیریت سے ہیں، لیکن ان خاتون نے کہا: جب تک میں اپنی آنکھوں سے آپ ﷺ کو نہ دیکھ لوں گی مجھے چین نہیں آئے گا، ان کی بے قراری دیکھ کر ان کو آپ ﷺ کے پاس لایا گیا جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے آپ ﷺ کو دیکھا تو وہ تاریخی جملہ کہا جس کو تاریخ آج تک نہ بھلاسکی ہے اور نہ کبھی بھلاسکے گی، انہوں نے کہا: "کُلُّ مُصِیبَۃٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ یَا رَسُولَ اللّٰہِ" آپ ﷺ کے بعد ہر مصیبت ہلکی ہے اے اللہ کے رسول ﷺ۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطابؓ نے حضور ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ﷺ ہم کو ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے اپنی ذات کے، تو نبی کریم ﷺ نے کہا: نہیں! جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس وقت تک تمہارا ایمان معتبر نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں تم کو تمہاری جان سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں، حضرت عمرؓ نے کہا: بس! خدا کی قسم مجھ کو آپ ﷺ اپنی ذات سے بھی زیادہ محبوب ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اب ٹھیک ہے اے عمر۔

حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ سے آپ کی محبت کیسی تھی؟ حضرت علیؓ نے کہا: خدا کی قسم! آپ ﷺ ہم کو ہمارے مال ودولت، ماں باپ، بیوی بچوں سے زیادہ محبوب تھے۔

یہ چند واقعات ہیں، ورنہ اس جماعت کا تو ہر فرد حب نبی ﷺ میں اس بلندی پر کھڑا نظر آتا ہے جہاں تک صرف صحابہ کرام ہی کی خصوصیت ہے۔

خیرخواہی کا جذبہ

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ (رضی اللہ عنہ) قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مِنْ عَبْدٍ اسْتَرْعَاهُ اللَّهُ رَعِيَّةً، فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ، إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. (البخاری: ۷۱۵۰)

ترجمہ:- حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: اللہ تعالیٰ جس بندے کو کسی قوم کا ذمہ دار بناتا ہے، لیکن وہ اس قوم کے ساتھ خیرخواہی کا معاملہ نہیں کرتا ہے، تو ایسا شخص جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔ (بخاری)

فائدہ:- مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی قوم کا ذمہ دار منتخب کیا جائے، لیکن وہ ان کے ساتھ خیرخواہی کا معاملہ نہ کرے، تو ایسا شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا، اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے ایسے حاکم سے اللہ کی پناہ مانگی ہے، جو اپنی رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ نہ کرتا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: "اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا بِذُنُوْبِنَا مَنْ لَا يَخَافُكَ وَلَا يَرْحَمُنَا" (اے اللہ! تو ہم پر ہمارے گناہوں کی وجہ سے ایسے شخص کو حاکم نہ بنانا جس کے اندر نہ تیرا ڈر ہو اور نہ ہی ہمارے ساتھ رحم کا جذبہ ہو) البتہ اگر کوئی ایسا حاکم ہے جو لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرتا ہے، لوگوں کے ساتھ ان کے ہر معاملہ میں خیرخواہی سے پیش آتا ہے، تو ایسے شخص کے بارے حضور ﷺ نے فرمایا: جب قیامت کے دن عرش الٰہی کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، اس دن جب سات قسم کے لوگ عرش الٰہی کے سائے تلے ہوں گے، انھی میں ایک انصاف کرنے والا صاحب ایمان حاکم بھی ہوگا۔

معلوم ہوا ہر ذمہ دار انسان کو اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ خیرخواہی کا معاملہ کرنا چاہیے، اور یوں بھی دین اسلام میں ہر شخص کے ساتھ خیرخواہی مطلوب ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر نبی کے تذکرے کے ساتھ اس کا خیرخواہ ہونا بھی بتایا گیا ہے، تاکہ اس کی اہمیت کو سمجھا جا سکے، اسی لیے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ" (دین سراپا نصیحت ہے) جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ اچھائی اور خیرخواہی کا برتاؤ کرنا چاہیے، خیرخواہی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اللہ کے بتائے ہوئے احکامات کی کما حقہ تعمیل کرے، اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلنے والا ہو، لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتا ہو، اگر وہ حاکم ہے تو اپنی رعایا کے ساتھ ہمدردی و نرمی کا معاملہ کرتا ہو، کسی پر ظلم نہ کرتا ہو، لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہو، غم کے موقع پر لوگوں کا ساتھ دیتا ہو، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی بھی حیثیت سے حکومت کا نمائندہ ہے، تو اس کی خیرخواہی یہ ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں ایسی تجاویز رکھنے کی کوشش کرے، جن سے لوگوں کا فائدہ وابستہ ہو، اسی طرح اگر کوئی شخص صاحب اولاد ہے تو اس کی خیرخواہی اپنی اولاد کے لیے یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایسی تعلیم دے جو اس کے بچوں کو دنیا میں بھی فائدہ دے اور اخروی سعادت کا ذریعہ بھی بنے، اور خود اس کے انتقال کے بعد اس کا یہی عمل اس کے لیے بھی باعث اجر و ثواب بن سکے، اسی طرح اگر کوئی شخص ڈاکٹر ہے، تو اس کی خیرخواہی یہ ہے کہ وہ آنے والے مریض کا علاج خدمت خلق کی نیت سے کرے، اور اس کام کو محض پیسہ کمانے کا ذریعہ نہ بنائے، اسی طرح اگر کوئی ذی علم شخص ہے، اور لوگ اس کے پاس اپنے مسائل لے کر آتے ہیں، تو ان کے ساتھ خیرخواہی یہ ہے کہ وہ ان مسائل کو پورے اخلاص کے ساتھ حل کرے، ان کو مفید مشوروں سے نوازے، اسی طرح اگر کوئی گمراہی کے راستہ پر پڑا ہوا ہے، تو اس کے ساتھ خیرخواہی یہ ہے کہ اس کو سیدھا راستہ دکھایا جائے، غرض کہ خیرخواہی سے مراد شریعت کے دائرہ میں رہ کر انسان کا ہر اس کام کو کرنا ہے جس کے اندر دوسروں کے لیے خیر وابستہ ہو۔

مندرجہ بالا تشریح سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے، معاشرہ میں اخوت و محبت کی فضا عام کرنے کے لیے ہر انسان کے اندر خیرخواہی کا جذبہ ہونا نہایت ضروری ہے، اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے ہر موقع پر خیرخواہی کی تعلیم دی ہے۔

بنیاد پرستی اور شدت پسندی!

سید محمد مکی حسنی ندوی

آج کل کی الکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا نے جن تعبیرات کو سب سے زیادہ مسخ کیا ہے، اور اپنے مفہوم میں استعمال کیا ہے ان میں بنیاد پرستی اور شدت پسندی کی تعبیرات بھی خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ ان دونوں اصطلاحوں کو عمومی طور پر مترادف استعمال کیا جاتا ہے، جوکہ فی الواقع ان دونوں کے الگ الگ مفہوم کو ایک کو دوسرے میں خلط ملط کرنے کی دانستہ کوشش ہے یا پھر فکری کمزوری کے نتیجہ میں حد فاصل نہ بناپانے کا نتیجہ ہے۔

''بنیاد پرستی'' ٹھوس اور بنیادی اصولوں اور کسی بھی دین کے خالص ڈھانچہ کو محفوظ کرنے کی ایک تعمیری کوشش ہے اور ''شدت پسندی'' کسی بھی طرح سے مذہبی جذبات اور مختلف مذاہب کے درمیان نفرت کی آگ کو بھڑکانے کا ایک شر پسندانہ رویہ ہے۔اس سیاق میں بنیاد پرستی' مذہبی اقدار اور روحانیت کی پُر کیف فضا میں انہماکِ نفس کا نام ہے، جبکہ شدت پسندی' مذہب کے نام پر مادیت پرستی اور نفس پرستی کی کوششیں ہیں۔

بنیاد پرستی- اس لفظ کی اصل سے ہی واضح ہوتا ہے کہ مذہب کی بنیادی اقدار کو شدت سے اختیار کیا جائے اور کسی بھی طرح اس کے اصولوں سے انحراف کو گوارا نہ کیا جائے اور ان بنیادوں کے فروغ کی کوششیں کی جائیں، اس تناظر میں دیکھا جائے تو ہر مذہب کے پیروکار اپنے مذہبی اصولوں پر سختی سے پابند ہیں، اسی مقصد کے حصول کے لیے مشنری نظام قائم ہے، اور انھیں حکومتوں کی سرپرستی بھی حاصل ہے، کرسچن معاشرہ میں انھیں افراد کو اہمیت حاصل ہے جن کا اپنے چرچ سے رشتہ مضبوط ہے، اس سلسلہ میں جارج بش اور بارک اوبامہ جیسے عالمی شخصیتوں کی مذہبی بنیاد پرستی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

لیکن معاملہ جب مسلمانوں کا ہوتا ہے اور وہ اپنے دینی اقدار و ملی شعائر کو سختی سے اختیار کرنا چاہتے ہیں تو انھیں بنیاد پرست اور شدت پسند کہہ کر مطعون کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ملک و معاشرہ کے لیے سب سے خطرناک یہی لوگ ہیں، اور پھر بنیاد پرستی اور شدت پسندی کو نہایت ہی منفی سوچ اور تخریبی فکر کے تناظر میں پیش کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ بے ضرر مسلمان جس کا ظاہر اسلامی تعلیمات کے موافق ہوتا ہے وہ معاشرہ کا سب سے خطرناک انسان مانا جاتا ہے۔

شدت پسندی کے حوالہ سے دیکھا جائے تو جہاں بھی مسلمان کمزور ہیں انھیں ان کا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور مخالفت کے نتیجہ میں انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، اس کی واضح مثال افریقہ کے پسماندہ ممالک ہیں اور اب ہمارے ملک میں ''گھر واپسی'' کے نام سے منفی کارروائیاں ہیں، اس کے علاوہ کھلے طور پر اسلامی تشخصات کو نشانہ بنایا جاتا ہے، کبھی پردہ کو عورتوں پر ظلم کہا جاتا ہے، کبھی ڈاڑھی ٹوپی کو انتہا پسندی کی علامت گردانا جاتا ہے، کبھی اذان تو کبھی مسجدوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے، اور اس ''شدت پسند'' کا اظہار رائے کی آزادی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن جب مسلمان اپنا دفاع کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسلامی تعلیمات کے حقائق کو بیان کرنا چاہتا ہے تو اسے ''شدت پسند'' کہہ کر تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اس میں میڈیا پوری طرح سے منفی رول ادا کرتا ہے۔

حقیقت میں دیکھا جائے تو بنیاد پرستی اور شدت پسندی یہ دونوں اصطلاحیں مغربی طاقتوں کی پیدا کردہ ہیں، اور اس کا مقصد صرف اسلام اور اہل اسلام کو بدنام کرنے اور اس کے بڑھتے ہوئے رسوخ کو روکنا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام کو جس قدر بدنام کرنے کی کوششیں کی گئیں اس کی طرف اتنی ہی شدت سے لوگوں کا رجحان بڑھا ہے، اور جن یونیورسٹیز میں اسلام کے خلاف لٹریچر تیار کیا جاتا ہے وہیں طلباء اسلام کے داعی بن کر نکل رہے ہیں، جبکہ اسلام مخالف پروپیگنڈوں سے پہلے اسلام کو ایک آوٹ آف ڈیٹ مذہب کی طرح سمجھا جاتا تھا اور اس کی اچھائیوں کو بھی عیوب میں گردانا جاتا تھا۔ مغربی مفکرین نے کچھ غلط پیشن گوئی نہیں کی ہے کہ آنے والی صدی اسلام کی صدی ہوگی!

جمہوری نظام

جمہوریت میں حکومت سازی کے عمل میں عوام کی شرکت اور اس معاملہ میں ان کی فیصلہ کن حیثیت نیز سماجی مساوات اور سیاسی اور معاشی آزادی تصورات کی خوبیوں کو دیکھ کر بہت سے مسلم اصحاب علم کا خیال ہے کہ اسلام اور جمہوریت میں مطابقت پائی جاتی ہے، وہ ایک ایسا طرز حکومت ہے جس کو اختیار کرنے میں مذہب اسلام کے نقطہ نظر سے کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن کئی معروف علماء اور دانشور جمہوریت کے ناقد ہیں، اور بعض جزوی مشابہتوں کے باوجود اسلام اور جمہوریت میں کوئی مطابقت نہیں دیکھتے بلکہ کہتے ہیں کہ بعض معاملات میں جمہوریت اسلام سے صریحاً متصادم ہے، علامہ اقبال جمہوریت کے شدید مخالف تھے، انہوں نے اپنی نظم ونثر دونوں میں اس تصور کی نفی کی ہے ۔

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

علامہ اقبال کا خیال ہے کہ جمہوریت دراصل سرمایہ داروں کے ذہن کی پیداوار ہے، تاکہ وہ انفرادی آزادی کے جمہوری تصور کے پردے میں کسی رکاوٹ کے بغیر اپنی تجارت کو فروغ دیں، اور زیادہ سے زیادہ سرمایہ جمع کرکے خوب عیش کریں۔

علامہ اقبال کا یہ بھی خیال ہے کہ جمہوریت ''ملوکیت'' ہی کی ایک تبدیل شدہ صورت ہے، اس کا ظاہر بلاشبہ حسین اور جاذب نظر ہے، لیکن اس کا باطن تاریک اور بڑا ہی خوفناک ہے ۔

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

معلوم ہے کہ جمہوریت میں مذہب ایک انفرادی معاملہ ہے، ریاست کا اس سے کوئی تعلق نہیں، اور علامہ اقبال کے نزدیک ریاست اور مذہب میں جدائی ممکن نہیں، کیونکہ مذہب کی رو سے خدا ہی حاکم اعلیٰ ہے اور بندوں کو اسی کے قانون کی اطاعت کرنی ہے، جب کہ جمہوریت میں معاملہ اس کے برعکس ہے، اس میں خدا کے بجائے عوام ہی حاکم اور قانون ساز ہوتے ہیں، علامہ اقبال ہر اس قیاسی نظام کو جس میں مذہب کو قیادت کا مقام حاصل نہ ہو، چنگیزی حکومت قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں ۔

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مشہور و معروف مفسر قرآن علامہ حمید الدین فراہی جمہوریت کے متعلق لکھتے ہیں، ''ایسی حکومت جس میں سب کی حیثیت مساوی ہو، عربوں کے نزدیک ایک ناپسندیدہ طریقہ حکومت تھا، لیکن آج مغرب میں بہت سے لوگ اس طرز حکومت کے داعی و مبلغ ہیں اور اس سے عوام کو گمراہ کرتے ہیں، یہ طرز حکومت فتنہ اور نظام انسانی کی شکست وریخت کا ایک ذریعہ ہے۔ (فی ملکوت اللہ صفحہ ۴۶)

مولانا امین احسن اصلاحی جمہوریت کے بارے میں کہتے ہیں کہ تاریکی اور روشنی، رات اور دن میں بدی اور نیکی میں جو فرق ہے وہی جمہوریت اور اسلام میں ہے، آپ جمہوریت کی تعریف کریں گے، ''عوام کی حکومت'' عوام کے لیے عوام کے ذریعہ سے عوام کی بہبودی کے لیے، جب کہ اسلام میں اللہ کی حاکمیت، اللہ کی حکومت، اللہ کے قانون کے ذریعہ سے اللہ کے ماننے والوں کے لیے، اب ان دونوں میں سے ذرا جوڑ ملائیے، ہے کوئی جوڑ ملتا ہوا، جمہوریت کی ایک نمائش کی گئی ہے، واقعہ یہ ہے کہ انگریزوں اور امریکیوں نے ایک نظام چلا کر ساری دنیا کو مبہوت کر دیا ہے، لیکن حالت کیا ہے؟ آپ یقین کریں کہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کی بڑی بڑی لابیاں ہوتی ہیں، اور ان کے ہاتھ میں پبلسٹی کے تمام ذرائع ہیں، بڑے بڑے ماہران کے ملازم ہوتے ہیں، اور وہ جس شیطنت کو پھیلانا چاہیں پھیلا دیتے ہیں، اسلام کا اپنا الگ نظام ہے، جس کی بنیاد علم و تقویٰ پر، اہل استنباط پر اور شورائیت پر ہوگی، تمام فیصلے کتاب وسنت کی روشنی میں ہوں گے۔

ماخوذ

جمہوریت کا المیہ

محمد نفیس خاں ندوی

مغربی دنیا ایک عقل پرست دنیا ہے، جسے ''مذہب'' سے کوئی سروکار نہیں، بلکہ بعض اعتبارات سے اس کی بنیاد ہی مذہب مخالفت پر ہے، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ جب انسان ایک حقیقی مذہب کا انکار کرتا ہے تو اسے دسیوں خود ساختہ مذاہب کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے، مغربی ممالک کی بھی یہی حقیقت ہے، مذہب کے نام سے بدکنے والی اس دنیا نے اپنے لیے بہت سے عقلی تصورات کو ہی مذہب کا درجہ دے رکھا ہے، انہیں تصورات میں ایک تصور ''جمہوریت'' کا بھی ہے۔ اگرچہ جمہوریت ایک تاریخی نظام اور ایک سیاسی تجربہ ہے مگر اہل مغرب جمہوریت کا ذکر ایک عقیدہ کے طور پر کرتے ہیں، ان کے نزدیک جمہوریت ''مقدس'' بھی ہے اور اخلاقی قدروں کے مساوی بھی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے پوری دنیا کو جمہوریت اور غیر جمہوریت کے خانوں میں بانٹ رکھا ہے، اور جب کوئی خطہ جمہوریت کی خرابیوں کا شکار ہوتا ہے تو ان کی نظر میں اس مسئلہ کا حل مزید جمہوریت ہی ہے۔

مغرب میں جمہوریت 18ویں صدی میں مستحکم ہوئی، لیکن 20ویں صدی میں اسے غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، جمہوریت نے جرمنی میں نازی ازم کو شکست دی، ہندستان میں اپنی جڑیں مضبوط کیں، ایشیا اور افریقہ میں نئی جمہوریتوں نے جنم لیا، یونان میں جمہوریت 1974ء میں کامیاب ہوئی، اسپین میں 1975ء میں جمہوریت نے اپنا پرچم بلند کیا، ارجنٹائن میں 1983ء میں جمہوریت کو کامیابی ملی، برازیل میں جمہوریت کو 1985 میں فتح نصیب ہوئی، چلی میں 1989ء میں جمہوریت نے آمریت کو شکست دی، سوویت یونین کے خاتمہ کے بعد متعدد نئی جمہوریتیں وجود میں آئیں۔ چنانچہ 2000ء تک دنیا کے 120 ملکوں میں جمہوری نظام کو متعارف کرایا گیا، یعنی دنیا کے کل ممالک میں سے 63 فیصد حصے میں جمہوریت نافذ ہوئی۔

اہل مغرب کے نزدیک جمہوریت کی خوبی یہ ہے کہ جمہوری ملکوں میں امیر وغریب طبقوں میں تفاوت کم ہوتا ہے، جس کی وجہ سے امیر وغریب کے درمیان کشیدگی بھی کم ہوتی ہے، جمہوری ممالک جنگیں کم لڑتے ہیں نیز بدعنوانی کے مقابلہ میں کامیاب مزاحمت زیادہ ممکن ہوتی ہے، اور سب سے اہم بات یہ کہ جمہوی ملکوں میں عوام کو اپنے خیالات کے اظہار کی مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے، اور وہ اپنے اور اپنی آئندہ نسل کے مستقبل کی تعمیر خود کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کروڑوں لوگ جمہوریت کو گلے لگانے کے لیے تیار ہیں اور عمومی طور پر دنیا میں جمہوریت کے لیے زبردست خیر سگالی پائی جاتی ہے۔

جمہوریت کے تعلق سے یہ کہا جاتا ہے بیسویں صدی کے آخر میں اسے عالمگیر نوعیت کی فتوحات حاصل ہوئیں، یا یوں کہیے کہ سابقہ سبھی نظاموں کے مقابل جمہوریت کا نظام زیادہ دیرپا اور زیادہ سحر انگیز ثابت ہوا، لیکن اسے محض ایک ''تصور'' ہی سمجھا جانا چاہیے، کیونکہ حقیقت یہ ہے دوسرے سبھی سیاسی نظاموں کی طرح یہ جمہوری نظام بھی پوری طرح ناکام ہوا، البتہ آمریت سے جمہوریت تک آنے میں اور پھر جمہوریت کے مفاسد کے ظاہر ہونے میں جو عرصہ لگا وہ نسبتاً تھوڑا طویل تھا، اور اسی طویل عرصہ کو جمہوریت کی کامیابی سے تعبیر کرلیا گیا۔

بلاشبہ جمہوریت کو بیسویں صدی کے آخر میں عالمی سطح پر نمایاں قبولیت ملی تاہم اکیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی اس کے منفی اثرات بھی (Side-Effects) ظاہر ہونے لگے، اور مغربی دنیا 2007-08 میں زبردست اقتصادی بحران کا شکار ہوئی جس کے نتیجہ میں جمہوری نظام کو زبردست دھچکا لگا، اور مغرب کے سیاسی و مالیاتی نظام کا کھوکھلا پن پوری طرح میں نمایاں ہوگیا۔

جمہوریت کو ایک اور دھچکا امریکہ-عراق جنگ سے لگا، جارج بش نے یہ دعوی کیا تھا کہ عراق میں مہلک ہتھیار موجود ہیں اور اس کی موجودگی پوری دنیا کے امن کے لیے خطرہ ہے، لیکن عراق کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے باوجود ایسے ہتھیاروں کا نام ونشان تک نہ ملا، اس تباہی کو جارج بش نے جمہوریت کی بحالی سے تعبیر کردیا، اور آمریت سے آزادی اور جمہوریت کے استحکام کو اس جنگ کے جواز کی بنیاد بنالیا۔

مسٹر بش نے اپنے دوسرے دورۂ صدارت میں کہا تھا کہ آزاد قوموں کی جانب سے جمہوریت کے فروغ کے لیے کی جانے والی کوششیں ہمارے دشمنوں کی شکست کی ابتدا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ محض مفاد پرستی تھی، اور جمہوریت کے نام پر امریکی سامراج کو مضبوط کرنے کی کوشش، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جمہوریت کے نام پر ہزاروں بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، لاکھوں افراد کو بے گھر و بے سہارا کر دیا گیا، عزتیں پامال کر دی گئیں اور عراق جیسا مضبوط ملک خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھ گیا۔

جمہوریت کو تیسرا زبردست دھچکا مصر کے انقلاب میں لگا، 2011ء میں حسنی مبارک کی آمریت کے خاتمہ کے بعد جمہوریت کی ایک نئی کرن بیدار ہوئی، جمہوریت کی بحالی اور اس کے استحکام کے لیے انتخابات کرائے گئے، لیکن اتفاق کہ انتخابات میں کسی سیکولر اور لبرل پارٹی کے بجائے اسلام پسند پارٹی اخوان المسلمین کو کامیابی مل گئی، مغربی طاقتوں نے جمہوریت کے نام پر اسلام پسند پارٹی کو کسی بھی حال میں قبول نہ کیا، اور جمہوریت کا گلا گھونٹ کر فوجی بغاوت کی راہ ہموار کر دی، نتیجہ ظاہر تھا، اخوان المسلمین کو ممنوع قرار دیدیا گیا، اس کے حامیوں کو سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا، اور جمہور کے منتخب صدر محمد مرسی کو قید کر دیا گیا۔

جمہوریت کا عنوان جتنا پرکشش اور دلفریب ہے اس کے دامن میں اس سے کہیں زیادہ چھید ہیں، بظاہر جمہوریت کا مفہوم یہی ہے کہ عوام کے ذریعہ عوام پر عوام کی حکومت ہو، لیکن جب انتخابات ہوتے ہیں تو معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے، ایک اندازہ کے مطابق عام طور پر ساٹھ فیصد ووٹنگ ہوتی ہے، اور وہ ووٹ بھی دسیوں چھوٹی بڑی پارٹیوں میں تقسیم ہوجاتے ہیں، اور جب کوئی پارٹی اقتدار میں آتی ہے تو اس کے کھاتہ میں کل عوام کا دس فیصد ووٹ بھی نہیں ہوتا، یعنی نوے فیصد کی مخالفت اور دس فیصد کی تائید پر حکومت قائم ہوجاتی ہے اور اسے جمہوری نظام کا نام دیدیا جاتا ہے۔ اس پر طرفہ یہ کہ یہ دس فیصد ووٹ حاصل کرنے والی پارٹی بھی سرمایہ دار کمپنیوں کی مرہون منت ہوتی ہے۔

جمہوریت کی ناکامی اس بات سے بھی واضح ہوتی ہے کہ امریکہ جیسا جمہوری ملک خود ''جمہوری جمود'' کا شکار ہے، یوں تو امریکہ کا دعویٰ دنیا بھر میں جمہوری نظام نافذ کرنا ہے اور اس کی اس نے عملی کوششیں بھی کیں لیکن خود امریکہ میں دو جماعتی سیاسی نظام کام کر رہا ہے، اور دونوں جماعتوں نے مختصر سے عرصہ میں امریکہ دو بار دیوالیہ ہونے کی کگار تک پہنچایا ہے۔

مشہور انگریزی جریدہ دی اکنامسٹ کی ایک رپورٹ کے مطابق ترقی یافتہ جمہوری ممالک میں لوگوں کی سیاسی وابستگی تیزی سے کم ہو رہی ہے، برطانیہ میں تقریبا دو فیصد لوگ ہی سیاست سے وابستہ ہیں جبکہ 1950ء میں یہ شرح بیس فیصد تک تھی، نیز 49 مختلف ممالک میں ہوئے سروے کے مطابق 84-1980ء اور 13-2007ء کے درمیان ووٹنگ شرح میں تقریباً دس فیصد کی کمی واقع ہوئی ہے، یورپی ممالک میں کی جانے والی ایک تحقیق کے مطابق ہر دو ووٹرز میں سے ایک کو حکومت کے بیانات پر اعتبار ہی نہیں ہوتا، 2012ء کے ایک سروے مطابق برطانیہ میں 62 فیصد رائے دہندگان کا اس بات پر اتفاق ہے سیاست داں اکثر جھوٹ ہی بولتے ہیں، اس صورتحال کا نتیجہ ہے کہ سیاسی جماعتوں کا مذاق اڑانا اور سیاسی نظام کے خلاف منفی انداز میں احتجاج کرنا ایک عام سی بات ہے۔

حقیقی بات تسلیم کی جائے تو جمہوریت کی کوئی علمی یا اخلاقی بنیاد نہیں، بلکہ دوسرے تجربوں کی طرح وہ بھی ایک تاریخی تجربہ ہے جس کے نتیجہ میں مغرب کے جمہوری ممالک سیاسی اور اقتصادی میدان میں بری طرح ناکام ہوچکے ہیں، اہل مغرب نے ہمیشہ کوئی نہ کوئی نیا تجربہ کیا اور ہمیشہ اسے منہ کی کھانی پڑی۔

سیاسیات و اقتصادیات کے میدان میں اہل مغرب نے جتنے تجربے کیے وہ سب ایک ناسور کی حیثیت سے تاریخ میں محفوظ ہیں، تاریخ کے انہیں تجربات میں ایک تجربہ اسلام کے سیاسی واقتصادی نظام کا بھی ہے جس کا میدان عرب کی سرزمین رہا ہے، یہ تجربہ تاریخ انسانی میں سب سے کامیاب تجربہ رہا ہے اور آج بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

کاش بہت سے تجربوں کے بعد ایک تجربہ اسلامی نظام کا بھی ہوتا، اور اہل مغرب تعصب و تنگ نظری سے باہر نکل کر ایک بار اس نظام کو بھی اختیار کر کے دیکھتے تو یقیناً ان کی بہت سی توانائیاں محفوظ ہوجاتیں، اور وہ ایک کامیاب نظام زندگی سے متعارف ہوتے۔

توفیق الٰہی

ابوالعباس خاں

اندلس کی سرزمین کا ایک مقدس وبابرکت قافلہ، جس کے روح رواں عبدالرحمٰن اندلسیؒ، جن کے دم سے سیکڑوں خانقاہیں آباد، جن کے فیوض سے ہزاروں مدارس جاری، جن کے ہزاروں شاگرد، ہزاروں مرید، جن کے جلو میں رہبر سلوک ومعرفت حضرت جنید بغدادیؒ، جن کے دامن میں شیخ طریقت حضرت شبلیؒ، جن کا رکاب تھامے سیکڑوں علماء ومشائخ۔

یہ مبارک قافلہ تیزی سے منزل کی جانب رواں تھا، راستہ میں نماز کا وقت آپہنچا، قریب ہی عیسائیوں کی ایک بستی نظر آئی، قافلہ بستی میں داخل ہوا لیکن کہیں پانی دستیاب نہ ہوسکا، قافلہ ایک کنویں پر پہنچا جہاں چند لڑکیاں پانی بھر رہی تھیں، سب نے وضو کیا اور اپنی نماز ادا کی۔

انہیں لڑکیوں میں ایک لڑکی کچھ چنچل اور کچھ شوخ تھی، شیخ کی نگاہ اس پر پڑی اور اس کی تصویر دل میں اتر گئی، کچھ اشارے ہوئے، کچھ ہم کلامی ہوئی، بات سے بات بڑھی اور بات بہت دور تک جا پہنچی، شیخ کی حالت بدل گئی، دھڑکنیں تیز ہوگئیں، چہرہ کا رنگ اڑ گیا، دل ودماغ کا رشتہ ٹوٹ گیا، ہزاروں دلوں پر راج کرنے والا بے بس ولاچار ہوگیا۔

تین دن گذر گئے، قافلہ کوچ کے لیے فکرمند تھا، لیکن شیخ پوری دنیا سے غافل، نہ وعظ وارشاد کی مجلس، نہ کھانے پینے کی فکر، نہ رفقاء واحباب میں کوئی دلچسپی، شاگردوں کی پریشانی بڑھتی گئی، مریدین دم بخود کی الٰہی ماجرا کیا ہے؟ حضرت شبلیؒ نے کچھ ہمت جتائی، شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ ہزاروں مریدین آپ کی اس حالت سے پریشان ہیں، بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی، آپ ہی کچھ ارشاد فرمائیں۔ شیخ نے گردن اٹھائی، سارے مریدین پر ایک نظر ڈالی اور کہا بھائیو! کب تک تم سے اپنی حالت چھپاؤں، سچی بات تو یہ ہے کہ پرسوں جس لڑکی کو کنویں پر دیکھا تھا اس کی محبت مجھ پر غالب آچکی ہے، میرا جسم وجاں اب اس کا اسیر ہوچکا ہے، اب کسی طرح ممکن نہیں کہ اس سرزمین کو چھوڑ کر کہیں اور جاؤں، تم لوگ اپنے راستہ جاؤ، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، تقدیر خداوندی نافذ ہوچکی ہے، مجھ سے ولایت کا لباس سلب کرلیا گیا ہے، ہدایت کی علامتیں اٹھالی گئی ہیں۔ یہ کہتے ہی شیخ دھاڑیں مار کرونے لگے، شبلی حسرت وتعجب میں بلک پڑے، شاگردوں کی چیخیں نکل گئیں، مریدین تڑپ اٹھے، کتنی روحیں پرواز کرگئیں، کتنی دھڑکنیں تھم گئیں، کتنے ہوش کھو بیٹھے، ایک بھونچال سا آگیا، پورے قافلہ میں کہرام مچ گیا، اس سرزمین پر اتنے آنسو بہے کہ پوری زمین تر تر ہوگئی۔

قافلہ نے شیخ کو الوداع کہا اور اپنے وطن کو واپس لوٹا، لیکن نہ اب خانقاہیں آباد ہیں، نہ مدارس قائم ہیں، نہ ذکر کی محفلیں ہیں، نہ ضربوں کی آہیں ہیں، بس شیخ کی فرقت اور ان کی جدائی کا غم ہے، ان کی باتیں ہیں، ان کے تذکرے ہیں، ان کی یادیں ہیں، اور گڑ گڑا کر اللہ رب العزت سے ایک ہی فریاد ہے کہ اے دلوں کے بدلنے والے! ہمارے شیخ کو ہدایت دے، انھیں واپس لوٹا دے۔

حضرت شبلی کہتے ہیں کہ شیخ کی فرقت میں ایک سال گذر گیا، ہم مریدوں نے چاہا کہ شیخ کی کچھ خبر معلوم کریں اور اسی بستی میں جا پہنچیں، لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں، شیخ کے بارے دریافت کیا تو کسی نے بتایا کہ وہ فلاں جنگل میں سور چرا رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی ہمارے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی، شدت غم سے کلیجہ پھٹنے لگا، آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان اُمڈنے لگا، کسی طرح ہم نے خود کو سنبھالا اور صورتحال معلوم کی، تو پتہ چلا کہ شیخ نے وہاں کے سردار کی لڑکی سے منگنی کرلی ہے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ ان کے سور چرایا کریں گے، بس یہ سنتے ہی ہم دیوانہ وار اس جنگل کی طرف بھاگے، جنگل پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ حضرت شیخ سور چرارہے ہیں، سر پر نصاریٰ کی ٹوپی ہے اور کمر میں زنار بندھا ہوا ہے، اور شیخ اپنے عصا پر ٹیک دیے ہوئے ہیں، یہ وہی عصا تھا جس کے سہارے شیخ خطبہ دیا کرتے تھے، اور وعظ وارشاد میں اسی پر ٹیک دیا کرتے تھے، شیخ نے ہمیں آتے ہوئے دیکھا تو اپنی گردن نیچے جھکالی، ہم نے سلام کیا تو انھوں نے دبے لفظوں میں جواب دیا اور خاموش ہوگئے۔

حضرت شبلی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ

رموزِ شریعت واسرارِ طریقت کے ماہر، قرآنیات میں بے مثال، فنِ حدیث میں یکتا و بے نظیر، آپ کے دم سے ایک دنیا آباد ہے، پھر آپ کی یہ حالت کیوں کر ہوگئی؟!

شیخ نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی، پھر بڑے درد وکرب میں فرمایا: ''میرے بھائیو! میں اپنے اختیار میں نہیں، سب میرے رب کی مرضی اور اس کا فیصلہ ہے، اس نے جب چاہا مجھے اپنے سے قریب کرلیا، اور جب اس کی مرضی ہوئی اس نے مجھے اپنی رحمتوں سے دور کردیا، اس کے فیصلہ کو کون ٹال سکتا ہے! اے میرے عزیزو! اپنے پروردگار کے قہر وغضب سے ڈرو، اپنے علم وکمال پر کبھی غرور نہ کرنا''۔ اس کے بعد شیخ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا کہ اے میرے مولیٰ! مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ تو مجھے ذلیل وخوار کر کے اپنے دروازے سے دور نکال دے گا۔

یہ باتیں کہہ کر شیخ زار وقطار رونے لگے، اور شبلی سے کہا کہ اے میرے عزیز! خدائے بے نیاز سے ڈرتے رہو، کبھی اپنے علم وفضل پر غرور نہ کرنا، دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔ اور پھر آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

شیخ کی پُردرد کیفیت دیکھ کر شبلی اور دوسرے مریدین بھی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے، ان کے رونے کی آواز میں بہت درد تھا، پورا ماحول ہچکیوں میں تبدیل ہوگیا، سب نے اللہ کے سامنے گڑگڑا کر دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہم تو بس تیری ہی مدد چاہتے ہیں، سارے کام تیرے بنانے سے ہی بنیں گے، ہم سے یہ مصیبت دور کردے، تیرے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں۔

شبلی نے روتے روتے پوچھا کہ حضرت آپ حافظ قرآن تھے، اور ساتوں قرأت میں ماہر تھے، کیا اب بھی آپ کو کچھ یاد ہے؟

شیخ نے کہا کہ اے عزیزو! مجھے پورے قرآن میں صرف یہی دو آیتیں یاد ہیں:

﴿وَمَن يُهِنِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ﴾ (جس کو اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے)

اور دوسری یہ آیت: ﴿وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ (جس نے ایمان کے بدلہ کفر اختیار کیا، بلا شبہ وہ سیدھے راستہ سے گمراہ ہوگیا)

حضرت شبلی نے عرض کیا کہ اے شیخ! تیس ہزار حدیثیں سند کے ساتھ آپ کے نوکِ زباں تھیں، کیا ان میں سے بھی کچھ یاد ہے؟

شیخ نے کہا کہ صرف ایک حدیث یاد ہے کہ من بدل دینہ فاقتلوہ (جس نے اپنا دین بدل ڈالا اسے قتل کردو)

شبلی کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے شیخ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور بغداد کے لیے واپس چل دیے، ابھی کچھ ہی فاصلہ طے ہوا تھا کہ ہم نے دیکھا کہ سامنے ایک نہر ہے اور ہمارے شیخ اس نہر سے غسل کر کے نکل رہے ہیں اور بلند آواز میں کلمۂ شہادت پڑھ رہے ہیں، یہ دیکھ کر ہم بے پناہ خوش ہوئے، ہماری اس خوشی کا اندازہ تو بس وہی کرسکتا ہے جس کو اس سے پہلے کی ہماری مصیبت کا اندازہ ہو۔

ہم نے شیخ سے عرض کیا کہ آپ کی اس آزمائش کی کیا وجہ تھی؟ آخر اللہ رب العزت نے آپ ہی کو اس سے کیوں دوچار کیا؟ شیخ نے فرمایا:

''ہمارا قافلہ جس بستی میں پہنچا تھا وہاں کے لوگ شرک میں مبتلا تھے، کوئی بتوں کو پوجتا تھا، کوئی صلیب کو معبود سمجھتا تھا، جگہ جگہ بت خانے، آتش کدے اور گرجہ گھر بنے ہوئے تھے، گاؤں والوں کو شرک کی غلاظت میں ڈوبا ہوا دیکھ کر میرے دل میں تکبر پیدا ہوا، اور اِس بڑائی کا احساس ہوا کہ ہم مومن ہیں، ایک خدا کی بندگی کرنے والے ہیں، اور یہ کمبخت کتنے جاہل اور احمق ہیں، بے حس و بے شعور چیز کو انھوں نے اپنا خدا بنا رکھا ہے، بس اسی وقت مجھے ایک غیبی ندا سنائی دی کہ تمہارا یہ ایمان اور توحید تمہارا ذاتی کمال نہیں ہے، یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے، کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو؟ بس اسی وقت مجھے یہ احساس ہوا کہ جیسے کوئی پرندہ میرے قلب سے نکل کر اڑ گیا، جو کہ حقیقت میں میرا ایمان تھا۔''

بلاشبہ تکبر ایک ایسا گناہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی سخت گرفت سے بڑے بڑے صوفی و بزرگ بھی نہیں بچ سکتے تو ہما شما کا کیا شمار! ہمیں ایمان کی اور نیک اعمال کی جو دولت ملی ہے وہ صرف توفیق الٰہی ہے، اپنے اعمال پر خوش ہونے اور اترانے کے بجائے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، تاکہ مرنے کے بعد والی زندگی میں بھی اس کی توفیق ہمارے ساتھ رہے، اور ہم اس کی رحمت کے حقدار بنیں۔

محمد نجم الدین ندوی

وضو کے احکام

وضو کرنا کب ضروری ہے: جن کاموں کے لیے وضو کرنا ضروری ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

☆نماز کے لیے☆ قرآن مجید چھونے کے لیے ☆سجدۂ تلاوت کے لیے☆ نماز جنازہ کے لیے☆ طواف کعبہ کے لیے۔

وضو کے فرائض:- مندرجہ ذیل فرائض میں سے اگر کوئی ایک بھی چھوٹ جائے تو وضو مکمل نہیں ہوگا، (۱) پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے لے کر دوسرے کان کی لو تک پورے چہرہ کو مکمل طور پر دھونا (۲) دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونا (۳) سر کے چوتھائی حصہ کا مسح کرنا (۴) دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا۔

وضو کی سنتیں: ☆وضو کی نیت کرنا ☆بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر وضو کرنا، یا اس دعا کو پڑھنا "بِسۡمِ اللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ وَالۡحَمۡدُلِلّٰہِ عَلیٰ دِیۡنِ الۡاِسۡلَامِ" (اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اپنے مسلمان ہونے پر اسی کا شکر ہے) ☆ پہلے دونوں ہاتھوں کو کلائی تک دھولینا ☆ مسواک کرنا اور اگر مسواک موجود نہ ہو تو انگلی سے دانتوں کو مل لینا ☆ کلی کرنا ☆ ناک میں پانی چڑھانا ☆ اگر روزہ نہ ہو تو ناک میں پانی اچھی طرح سے چڑھانا اور کلی کی جگہ غرارہ کرنا ☆ وضو کے ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھونا ☆ پورے سر کا ایک مرتبہ مسح کرنا ☆ صرف گردن کا مسح کرنا (گلے کا مسح نہیں کرنا چاہیے) ☆ کان کے ظاہری اور اندر کے حصہ کا مسح کرنا ☆ ڈاڑھی میں خلال کرنا ☆ انگلیوں میں خلال کرنا ☆ ہر عضو کو رگڑ کر دھونا ☆ ایک عضو کے خوشک ہونے سے پہلے ہی دوسرے عضو کو دھولینا ☆ پہلے دائیں طرف پھر بائیں طرف دھونا ☆ ترتیب کا خیال رکھنا ☆ وضو کرتے وقت دعاؤں کو پڑھنا ☆

وضو کے مستحبات: ☆کسی اونچی جگہ بیٹھ کر وضو کرنا ☆ قبلہ کی طرف رخ کرنا ☆ وضو کرنے میں بغیر عذر کسی سے مدد نہ لینا ☆ وضو کے دوران باتیں نہ کرنا ☆ ہر عضو کے دھوتے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا ☆ کانوں کے مسح کے وقت بھیگی ہوئی چھوٹی انگلی کو دونوں کانوں کے سوراخ میں ڈالنا ☆ اگر انگوٹھی وغیرہ ایسی ہو کہ پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ نہ ہو تو اس کو حرکت دینا، البتہ اگر تنگ ہے تو اس کا ہلانا ضروری ہے ☆ منہ اور ناک میں پانی ڈالنے کے لیے دائیں ہاتھ کا استعمال کرنا ☆ ناک کی صفائی کے لیے بائیں ہاتھ کا استعمال کرنا ☆ دل اور زبان کی نیت کو ایک ساتھ جمع کرنا ☆ وضو میں دعاؤں کا اہتمام کرنا ☆ نماز کے وقت سے پہلے وضو کر لینا ☆ جب وضو سے فارغ ہو تو کھڑے ہو کر کلمہ شہادت پڑھنا۔

وضو کے دوران یہ پڑھنا مستحب ہے: "اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ لِیۡ ذَنۡبِیۡ وَوَسِّعۡ لِیۡ فِیۡ دَارِیۡ وَبَارِکۡ لِیۡ فِیۡ رِزۡقِیۡ" (اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما میرے گھر میں وسعت عطا فرما اور رزق میں خیر و برکت عطا فرما)

اسی طرح وضو سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھنا مستحب ہے: "اَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ، اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡنِیۡ مِنَ التَّوَّابِیۡنَ وَاجۡعَلۡنِیۡ مِنَ الۡمُتَطَھِّرِیۡنَ". (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اے اللہ! مجھے توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں میں بنا)

وضو کو توڑنے والی چیزیں:- ☆ پیشاب یا پاخانہ کرنا یا ان دونوں کے راستوں سے کسی چیز کا نکلنا ☆ بدن کے کسی حصہ سے خون یا پیپ کا نکل کر بہہ جانا ☆ منہ بھر کے قے کرنا ☆ بیماری یا کسی اور وجہ سے بے ہوش ہو جانا ☆ پاگل ہو جانا ☆ نشہ میں ہو جانا ☆ لیٹ کر یا کسی چیز کا سہارا لے کر سو جانا ☆ رکوع و سجدہ والی نماز میں قہقہہ لگانا یعنی زور زور سے ہنسنا۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 07 | JANUARY 2015 | Issue: 01

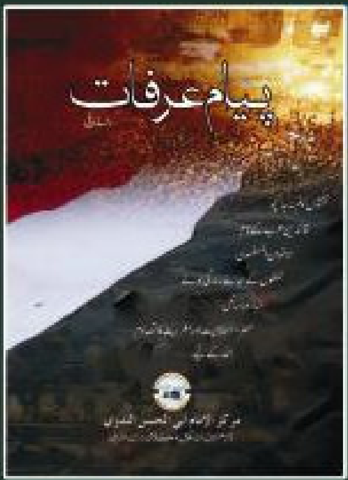

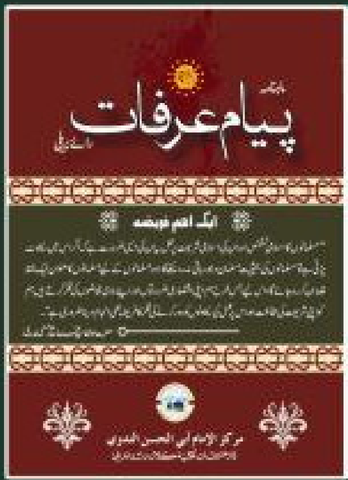

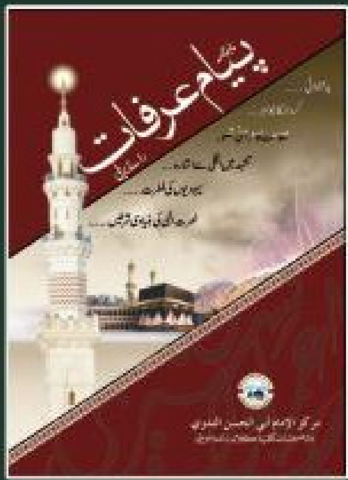

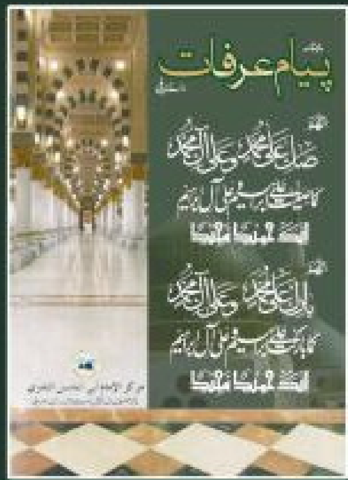

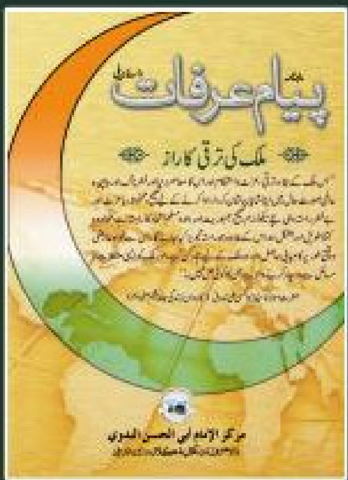

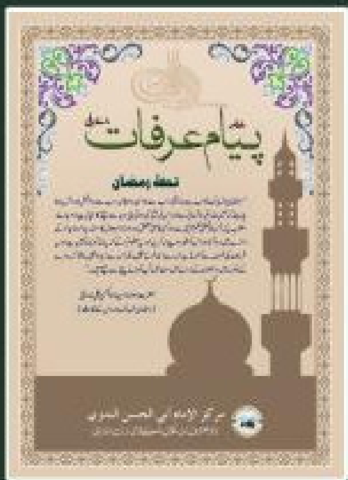

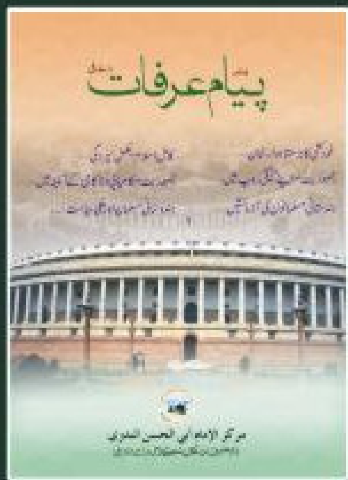

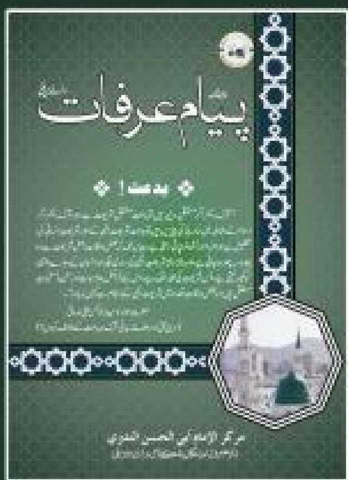

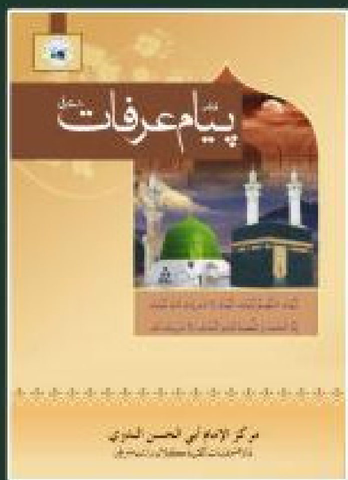

EditdrBilal Nadwi H
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)